

ذکر و فکر

حصہ اول و حصہ دوم

ذکرِ اللہ جَلَّ جلالہ



مُرتَّب :

فقیر اُبوالحسن قادری غفرلہ سمجھورو۔ سندھ
طابع و ناشر: حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

۶۸-۶۷، اور سبز ہاؤسنگ سوسائٹی،

پلاک ۸/۷ - کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

○○○

نام کتاب	_____	”ذکر و فکر“
مصنف	_____	علامہ ابوالحسن حکیم محمد رمضان علی قادری
طابع و ناشر	_____	حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ - کراچی
صفحات	_____	۱۵۲
تعداد	_____	۱۰۰۰
طبع	_____	اول
ماہ اشاعت	_____	مارچ ۱۹۹۸ء
طباعت	_____	”الافضل گرافکس“ ۱۶۶ - ایم اے جناح روڈ - کراچی
قیمت	_____	

ملنے کے پتے : (۱) حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ
 ۶۸ - ۶۷، اوور سیز ہاؤسنگ سوسائٹی،
 بلاک ۷/۸ - کراچی
 (۲) شرکت قادریہ - منجھورو سندھ
 پوسٹ کوڈ :- ۶۸۲۲۰

نذر بحضور لامع النُّور
 طبیب رُوحانی، مُشدر ربّانی، مخزنِ عرفانی
 حضرت شاہ محمد افضل
 قادری، چشتی (صابری، نظامی) قلندری
 (المعروف ”افضل سرکار“ مدظلّہ)

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

خاکپائے اولیاء
 فقیر ابوالحسن قادری قرشی غفرلہ
 سنجھورو۔ سندھ

پیش لفظ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ بِسْمِ اللَّهِ
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور تلاوت قرآن مجید وغیرہم تمام عبادات کا اصل مقصد و مرجع ”یادِ الہی“ ہی ہے۔ جو عبادت یادِ الہی سے خالی ہو، وہ حقیقت میں عبادت ہی نہیں ہے۔ غافل کی عبادت مقبول نہیں ہوتی اور نہ ہی غفلت کی حالت میں عبادت سے کوئی ”ثمر“ و ”آجر“ حاصل ہوتا ہے۔

”یادِ الہی“ تمام عبادتوں کا پھل ہے اور اسی پر آجر ہے۔ لہذا ہر حال میں ہر حالت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں رہنی چاہیے۔ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ اللہ کی یاد جس مومن کے دل میں جاگزیں ہو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا نافرمان نہیں ہو سکتا بلکہ ہر امر میں اللہ کا مطیع ہوگا۔ شرعِ مطہرہ کا پابند ہوگا۔ اللہ کی اطاعت ہی یادِ الہی ہے۔ ہادیِ برحق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس نے اللہ کی اطاعت کی تو حقیقت میں اُس نے اللہ کی یاد کی خواہ اس کی (نفلی) نمازیں، اس کے (نفلی) روزے اور قرآن کی تلاوت کم ہو اور جس نے اللہ

کی نافرمانی کی وہ اللہ کو مجھول گیا خواہ اُس کی نمازیں، روزے اور قرآن کی تلاوت زیادہ ہو۔ اس ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے واضح ہوا کہ ذکر کی ”رُوح“ طاعتِ الہی ہے۔ ذکر کی صحت اس پر موقوف ہے کہ ذکر احکاماتِ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو اور اوامر کی تعمیل کرے، نواہی سے مجتنب رہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو صرف زبانی ذکر ہوگا جو حقیقت سے بعید ہوگا۔

برزباں تسبیح و در دل گاؤ و خر ایں چُنیں تسبیح کے دارد اثر
زبان سے ذکر کرتے رہنا اور گناہوں سے باز نہ رہنا صحیحاً فریب کاری ہے۔
سہ سبجہ در کف تو بہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
مغفرت را خندہ مے آید بر استغفارِ ما

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ تم میری یاد کرو میں تم کو یاد رکھوں گا اور تم میرا شکر بجالاؤ اور ناشکری نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میری اطاعت کے ساتھ میرا ذکر کرو (یعنی عبادت کی شکل میں میرے فرمانبردار رہ کر) میں اپنی مدد سے تم کو یاد کروں گا۔“
حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ”اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم میری طاعت کی صورت میں میری یاد کرو۔ میں مغفرت میں تم کو فراموش نہیں کروں گا۔“

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرمانِ الہی کا یہ مطلب

بیان فرمایا۔ ”تم میری طاعت کے ساتھ میرا ذکر کرو۔ میں اپنے ثواب سے تمہیں فراموش نہیں کروں گا۔“

کثرتِ ذکر سے ذکر کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی اور محکم ہوتی ہے اور ذکر مقامِ ولایت تک پہنچتا ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ ذکر متبعِ شریعت ہو، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پابند ہو۔ صراطِ مستقیم پر چلتا ہوا ذکر کرے۔ اسی راہ پر ”وصول الی اللہ“ ممکن ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا منہی ”اللہ“ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ ”إِنَّ رَبِّيَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ“۔ بے شک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔“ یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بد دین گمراہ ہے۔ نیز قرآن فرماتا ہے۔ ”وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّيْتُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“۔ شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کر کے فرمایا۔ ”اور اے محبوب! تم فرما دو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو“ قرآن نے صاف فرما دیا کہ شریعت ہی وہ سیدھی راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اس کی راہ سے دُور پڑے گا۔ لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے، اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال و ناممکن ہے جو طریقت کو شریعت سے جدا جانتا ہے، اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے، مگر حاشا طریقتِ حقہ راہِ ابلیس نہیں، قطعاً راہِ خدا ہے تو یقیناً وہ

شریعت مطہرہ ہی کا لکڑا ہے۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں؟ اسی نارنجیم و عذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

کرامت بمعنی خارق عادت کا محقق اولیاء کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں کیونکہ اس کا ظہور ریاضت کرنے والے کافر سادھوؤں سے بھی ممکن ہے۔ جو شخص شرع محمدی کے ذرا خلاف چلے وہ گمراہ ہے۔ مکاشفہ و کرامت ولایت کی دلیل نہیں۔ حضور پر نور غوث اعظم محی الدین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں:

”خیر خدا کو موجود نہ دیکھنا اس کے ساتھ ہو تو اُس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کے ساتھ امر و نہی کی حفاظت کرے اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ توفتنہ میں پڑا ہوا ہے، بے شک شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے۔ تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آ اور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ اس لئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔“

(طبقات الاولیاء جلد اول مطبع مصر ص ۱۳)

نیز فرماتے ہیں: ”ولایت پر تو نبوت ہے اور نبوت پر تو اولوہیت۔ اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔“

لیکن جاہل۔ بے دین۔ بناؤٹی۔ فریب کار۔ نام نہاد پیر فقیرمداری

کی طرح شعبہ بازی، تماشہ دکھانے کو ولایت سمجھتے، کہتے اور بتاتے ہیں۔
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ط

حضرت سیدنا شیخ بایزید بسطامی قدسنا اللہ باسراۃ العزیز فرماتے ہیں۔ ”اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب، مکروہ و حرام اور محافظتِ حدود و آدابِ شریعت میں اُس کا حال کیسا ہے؟“
(رسالہ قشیرہ ص ۱۸) واضح رہے کہ ذکرِ حق سے شیطانی وساوس دور ہوتے ہیں نہ یہ کہ ذکر کا مدّعی خود وساوسِ شیطانی کا شکار ہو اور دوسروں کو بھی کرے۔
حضرت سیدنا شیخ احمد مجدّد الف ثانی سرہندی قدسنا اللہ باسراۃ العزیز

فرماتے ہیں: ”الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ وَمَلْعُونٌ مَا فِيهَا إِلَّا ذَكَرَ اللّٰهَ۔ (صحیح ترمذی وابن ماجہ) دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر۔“ جب کہ ذکر لوگ بلکہ ان کے ذراتِ وجود کا ہر ذرہ اللہ سبحانہ کے ذکر سے پُر ہے تو حق تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس وعید (ڈانٹ) سے خارج ہیں اور اہلِ دُنیا میں شمار نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ دُنیا اس چیز کا نام ہے جو دل کو حق سبحانہ سے روکے اور غیر اللہ سے مشغول کرے۔ وہ چیز مال و اسباب کے قبیلہ سے ہو خواہ مرتبہ اور سرداری کی طلب اور خواہ ننگِ ناموس ہو۔ ”فَاعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلَّيَ عَنْ ذِكْرِنَا۔ اُس شخص سے روگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے پھر چکا ہو۔“ نصّ قطعی ہے۔ دُنیا کی ہر چیز بلائے جان ہے۔ دُنیا دارِ دُنیا میں تو ہمیشہ تفرقہ اور پر آگندگی کا شکار رہتے ہیں اور آخرت میں ندامت اور حسرت کرنے والے گروہ میں ہوں گے۔ دُنیا کے

ترک کی حقیقت اس کی طرف رغبت کو ترک کرنا ہے اور ترک رغبت اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے اور اس معنی کا حصول ارباب جمعیت (اولیاء اللہ) کی صحبت کے بغیر مشکل اور دشوار ہے۔ ان بزرگوں کی صحبت اگر میسر ہو تو اسے غنیمت جانا چاہیے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیے۔“ (مکتوب ۱۹۷۔ مکتوبات مجدد الف ثانی سرہندی۔ دفتر اول حصہ سوم)

نیز ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمال متابعت سے مشرف فرمائے کیونکہ صدیقین کی اصلی غرض اور مقصود یہی ہے اور اس کے سوا سب کچھ جھوٹے و تم اور یہودہ خیالات ہیں، حق تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان سے بچائے۔ والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ وعلى آله الصلوات والتسلیمات دائماً۔ اور سلام ہو اُس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلى آله الصلوات والسلام کی متابعت کو لازم پکڑا۔“ (مکتوب ۲۰۵۔ دفتر اول حصہ سوم)

فقیر ابو الحسن حکیم حاجی محمد رمضان علی قادری غفرلہ

ذکر اللہ جلّ جلالہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ
 بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : فَادْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوْا لِيْ وَلَا
 تَكْفُرُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا
 اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو“ (پ ۲ ع ۲)

ذکر کے معنی : یاد کرنا - یاد رکھنا - تذکرہ و چرچا کرنا -

ذکر کی تین قسمیں ہیں : (۱) ذکر لسانی - (۲) ذکر قلبی - (۳) ذکر بالجوارح

(۱) ذکر لسانی - زبان سے - اسم ذات ”اللہ“ کا ذکر - ذکر صفات

الہی - اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرنا - تسبیح، تقدیس، ثناء وغیرہ بیان

کرنا - خطبہ - توبہ - استغفار - دُعا وغیرہ اس میں شامل ہیں -

(۲) ذکر قلبی - دل سے اللہ کا ذکر کرنا کہ دلِ ذاکر ہو جائے - اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کا یاد کرنا - اُس کی عظمت و کبریائی اور اُس کے دلائلِ قدرت میں

غور کرنا - علماء کا استنباط مسائل میں غور کرنا - قرآن و حدیث سے فقہی مسائل

اخذ کرنا بھی اسی میں داخل ہے -

(۳) ذکر بالجوارح - اعضاءِ جہم سے ذکر - نماز - روزہ - زکوٰۃ - حج کرنا اور

اعضاء و جوارح کو طاعتِ الہی میں مصروف رکھنا اور امر کی تعمیل کرنا اور نواہی سے باز رہنا۔ نماز تینوں قسم کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تکبیر و تسبیح، ثناء، قرأت تو ذکرِ لسانی ہے اور خشوع و خضوع ذکرِ قلبی اور قیام، رکوع، سجود، تعدہ وغیرہ ذکرِ بالجوارح ہے۔

ذکر اللہ، بالواسطہ بھی ہوتا ہے اور بلا واسطہ بھی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر و تذکرہ، ذات و صفاتِ الہی میں غور و فکر اور تلاوتِ قرآن مجید بلا واسطہ ذکر ہے اور محبوبانِ خدا کا محبت، تعظیم و تکریم سے تذکرہ کرنا۔ اس کے دشمنوں کی مذمت کرنا بالواسطہ ذکر ہے۔ اس لئے کہ قرآن سارا ذکر اللہ ہے مگر کہیں ذات و صفات کا تذکرہ ہے کہیں سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محامد، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام کا ذکر مذکور ہے، اور کہیں کفار و منافقین کا ذکر اور کہیں اولیاء و انبیاء کے دشمنوں کی مذمت ہے۔ یہ بھی ذکر بالواسطہ ہے کہ دنیا کی کسی چیز میں حُسن و جمال اور کوئی خوبی و کمال دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کی جائے یا کسی کے حُسن اخلاق اور عمدہ صفات کا تذکرہ ہے مگر یہ بھی حقیقتاً ذکرِ الہی ہے کہ تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اشیاء میں ہر حُسن و جمال اور خوبی و کمال پیدا کرنے والا اور کسی کو حُسن اخلاق کی نعمت دینے اور عمدہ صفات سے نوازنے والا بھی وہی ہے۔ ساری مخلوق اسی کے صفات کی مظہر ہے۔ تمام اشیاء میں اسی کے حُسن و جمال کی جلوہ گری ہے۔ لہذا جس چیز یا کسی کی بھی تعریف کی جائے وہ بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہوگی اور اُسی کا ذکر۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ”سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جو مالک سارے جہان والوں

کا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم طاعت بجالا کر مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں اپنی امداد کے ساتھ یاد کروں گا۔“ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”اگر بندہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو ایسے ہی یاد فرماتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسکو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔“

قال اللہ عز وجل: اِنَّمَّا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَاِذَا اُتِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَةٌ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ (پ ۹ ع ۱۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے (تو اس کی عظمت و جلال سے) ان کے دل ڈرجائیں اور جب ان پر اسکی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں (اور اپنے تمام کاموں کو اس کے سپرد کر دیں) وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں خرچ کریں یہی سچے مسلمان ہیں۔ اُن کے لئے درجے ہیں اُنکے رب کے پاس (بقدر ان کے اعمال کے کیونکہ مومنین کے احوال ان اوصاف میں متفاوت ہیں اس لئے ان کے مراتب بھی جُدا گانہ ہیں) اور بخشش ہے اور عزّت کی روزی۔“

قال اللہ عز وجل: وَلَئِنْ كُرِ اللّٰهُ اَكْبَرُ (پ ۲۱ ع ۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔“ کہ وہ افضل طاعات ہے۔ ترمذی

شریف کی حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ عمل جو تمہارے اعمال میں بہتر اور رب کے نزدیک پاکیزہ تر نہایت بلند رتبہ اور تمہارے لئے سونا چاندی دینے (خیرات کرنے) سے بہتر اور جہاد میں لڑنے اور مارے جانے سے بہتر ہے؟“ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی: ”بے شک یا رسول اللہ“۔ فرمایا: ”وہ اللہ کا ذکر ہے۔“ ترمذی ہی کی دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا تھا کہ ”روز قیامت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کن بندوں کا درجہ افضل ہے؟“ فرمایا: ”بکثرت ذکر کرنے والوں کا“۔ صحابہ نے عرض کی: ”اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا“۔ فرمایا: ”اگر وہ اپنی تلوار سے کفار و مشرکین کو یہاں تک مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگ جائے جب بھی ذاکرین ہی کا درجہ اس سے بلند ہے۔“

قال الشعر: **وَجَلَّ** : قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ آلِهِ مَنْ أَنَابَ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۚ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ۝ (پ ۱۳ ع ۱۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”اے محبوب تم فرماؤ۔ بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے (کہ وہ آیات و معجزات نازل ہونے کے بعد بھی یہ کہتا رہتا ہے کہ کوئی نشانی کیوں نہیں اُترتی۔ کوئی معجزہ کیوں نہیں آیا۔ معجزات کثیرہ کے باوجود گمراہ رہتا ہے) اور اپنی راہ اسے دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے۔ وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ سن لو اللہ کی یاد

ہی میں دلوں کا چین ہے (اس کی رحمت و فضل اور احسان و کرم کو یاد کر کے بقرار دلوں کو قرار و اطمینان حاصل ہوتا ہے) وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اُن کو خوشی ہے اور اچھا انجام۔ طوبیٰ بشارت ہے راحت و نعمت و رحمت اور خُرمی و خوشحالی کی۔“

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”طوبیٰ“ زبانِ حبشی میں جنت کا نام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مروی ہے کہ ”طوبیٰ“ جنت کے ایک درخت کا نام ہے جس کا سایہ ہر جنت میں پہنچے گا۔ یہ درخت جنتِ عدن میں ہے اور اس کی اصل (جڑ) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایوانِ معنیٰ میں اور اس کی شاخیں جنت کے غرفہ اور قصر میں اس میں سیاہی کے ہر قسم کے رنگ اور خوش نمایاں ہیں۔ ہر طرح کے پھل اور میوے اس میں پھلے ہیں اس کی جڑ سے کافور سلسبیل کی نہریں رواں ہیں۔

قال اللہ عز وجل: فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (پ ۲۳ ع ۱۷) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”تو خرابی ہے اُنکے لئے جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔“ نفس جب خبیث ہوتا ہے تو قبولِ حق سے اُس کو بہت دُوری ہو جاتی ہے اور ذکر اللہ کے سننے سے اس کی سختی اور کدورت بڑھتی ہے جیسے کہ آفتاب کی گرمی سے موم نرم ہوتا ہے اور نمک سخت ہوتا ہے۔ ایسے ہی ذکر اللہ سے مومنین کے قلوب نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے دلوں کی سختی اور بڑھتی ہے۔

فائدہ: اس آیت سے اُن لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جنہوں نے ذکر اللہ کو روکنا اپنا شعار بنالیا ہے۔ وہ صوفیوں کے ذکر کو بھی منع کرتے ہیں۔

نمازوں کے بعد ذکر اللہ کرنے والوں کو بھی روکتے اور منع کرتے ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم اور کلمہ پڑھنے والوں کو بھی بدعتی بتاتے ہیں اور ان ذکر کی محفلوں سے نہایت گھبراتے ہیں اور بھاگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (خزائن العرفان)

✓ قال اللہ عز وجل : وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○

(پ ۲۸ ع ۱۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد:- "اور اللہ کو بہت یاد کرو اس اُمید پر کہ فلاح پاؤ۔" ذکرِ کثیر سے مراد یہ ہے کہ بندہ کسی حال میں رب کو نہ بھولے۔ خلوص سے عبادت کرے۔ خلق سے مستغنی رہے۔ ذات و صفاتِ الہی میں غور و فکر کرتا رہے جو چیز خدا سے دُور اور غافل کرے اُس سے دُور رہے، اللہ کے ذکر میں ایسی لذت پائے جو اور کسی چیز میں نہ پائے۔ اللہ عز وجل نے فرمایا۔ وَتَبْتَغِلْ إِلَيْهِ تَبْتَلًا۔ تمام غیر اللہ سے کٹ کر یکسو ہو کر اللہ کے ہو جاؤ۔ بندہ ہمہ وقت ذکر میں مستغرق رہے۔ ذکرِ حضوری قلب کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ذکر کرتے ہوئے غفلت سے دُور

رہے کہ الغفلة فی الذکر اشد من غفلة عن الذکر۔ حالتِ ذکر میں غفلت ذکر سے غفلت سے زیادہ بُری ہے۔ زبان اور دل کو ذکر اور معنی ذکر سے خالی نہ رکھے۔ کچھ مدت اس طرح ذکر کرنے سے دل میں ذکرِ سرایت کر جائے گا، اور پھر اگر اس پر مواظبت کرے گا تو قلب بھی ذکر ہو جائے گا اور اس کے بعد کثرتِ ذکر کی تاثیر سے دل بھی ذکر سے گذر کر معنی ذکر میں محو ہو جائے گا۔ معنی ذکر اس طرح دل پر غالب آجائے گا کہ ہر وقت ہر حال میں ذکرِ قلبی جاری رہے گا۔ ایسا ذکر جس میں حروف اور صوت کا دخل نہیں۔ حروف اور صوت کا ذکر پوست ہے۔ اس شجر کا عین نہیں ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ خَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَلَبَهُ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ○ تُوُفِّي

اَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔ (پ ۱۳ ع ۱۶) کیا تم نے نہ دیکھا اللہ نے
 کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی (یعنی کلمہ توحید کی) جیسے پاکیزہ درخت
 جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں اپنا پھل دیتی ہیں اپنے رب کے حکم
 سے۔ ایسے ہی کلمہ ایمان ہے کہ اس کی جڑ قلبِ مومن کی زمین میں ثابت اور
 مضبوط ہوتی ہے اور اس کی شاخیں یعنی عمل آسمان میں پہنچتے ہیں اور اسکے
 ثمرات برکت و ثواب ہر وقت حاصل ہوتے ہیں۔

نہایت حال میں سلطان العارفین حضرت بایز بسطامی قدسنا اللہ بامرہ
 العزیز سے لوگوں نے پوچھا۔ ”کیا وجہ ہے کہ ہم آپ کی زبان سے ذکر نہیں سنتے؟“ فرمایا
 ”زبان بھی بے گانہ ہے درمیان میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔“

حضرت واسطی قدسنا اللہ بامرہ العزیز نے فرمایا: ”حقیقت ذکر نسیان
 ذکر ہے اور قیام بہ مذکور“ حلقہ میں بیٹھ کر ذکر کرنا سنتِ مشائخ ہے۔ اگر جماعت کو
 جمع کر کے ان سے مل کر ذکر کیا جائے تو سجد مفید اور مستحسن ہے۔ ذکر الہی سے غافل
 رہنا، اللہ تعالیٰ کی یاد کو بھلا دینا خسران و محرومی کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا
 ہے: اِسْتَحْذَرُوْا عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنۡسَاهُمْ ذِکۡرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ
 الشَّیْطٰنِ اَلَا اِنَّ حِزۡبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (پ ۲۸ ع ۳۶)
 ”اُن پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلا دی وہ شیطان کے گروہ ہیں
 سنتا ہے؟ بے شک شیطان ہی کا گروہ خسارہ (ہار) میں ہے“ کہ جنت کی دائمی
 نعمتوں سے محروم اور جہنم کے عذاب میں گرفتار۔ ذکر الہی دنیا و آخرت میں کامیابی
 و مخرجی کا موجب ہے۔ ذکر اللہ سے قرب و وصالِ الہی حاصل ہوتا ہے مگر
 واضح رہے کہ تقرب الی اللہ سے قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قبولیت کا قرب مراد

ہے۔ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔ مردود دُور ہے۔ محبوب درحضور ہے۔
 گر تو خواہی در دو عالم آبرو ذکرِ اُو کُن، ذکرِ اُو کُن، ذکرِ اُو
 ہر گدرا ذکرِ اُو سلطان کند ذکرِ اُو در دو جہاں شاداں کند
 اگر تُو دنیا و آخرت میں آبرو چاہتا ہے تو اُس کا ذکر کر۔ اُس کا ذکر کر۔ اُس کا
 ذکر کر۔ اُس کا ذکر ہر بھکاری کو سلطان بنا دیتا ہے۔ اُس کا ذکر دو جہاں میں
 خوشی و مسرت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

حضرت استاد المحدثین قبلہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی قدسنا اللہ بامرہ
 العزیز ارشاد فرماتے ہیں۔ ”جملہ علوم کالبت لباب اور تمام عبادات کا اصل مقصود
 واصل باللہ ہونا ہے اور چونکہ بندہ کمال حالت نقصان میں ہے اور ذاتِ باری
 تعالیٰ نہایت باکمال و پاکیزہ ہے۔ پس ناقص کا اکل تک رسائی حاصل کرنا ممکن
 نہیں سوائے اس کے کہ اسمائے الہی کا ذکر کرے۔ اسمائے الہی کے ذکر کے ذریعہ
 خود میں صفات کمالیت و پاکیزگی حاصل کرے۔ اسم ”اللہ“ سے اس طرح چٹا
 رہے اور اس کی یاد میں ایسا مشغول و مستغرق ہو جائے کہ خود کو فنا کر دے اور
 اُس مقام تک پہنچ جائے کہ ذکر، ذکر اور مذکور ایک ہو جائے اور دوئی درمیان
 سے اٹھ جائے۔“ (تفسیر فتح العزیز، پ ۱۷۷)

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں۔
 چونکہ باہم متصل گردید جہاں ذکر آں اینست و اینست ذکرِ آں
 جب بندہ واصل باللہ ہو گیا تو بندہ کی تعریف، اللہ کی تعریف اور اللہ کی تعریف
 کہ اُس نے اس بندہ کو کیا شان عطا فرمائی، یہ بندہ کی تعریف ہے۔
 تُو او نہ شوی ولے گر جہد کنی جائے برسی کز تو دُوئی بر خیزد

اے بندے! تو وہ (یعنی خدا) نہیں بن جائے گا لیکن اگر تو ذکر و فکر اور مجاہدہ کرے تو اُس مقام تک پہنچ جائے گا کہ تجھ سے دوئی اٹھ جائے گی یعنی فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ کی منزل پالے گا۔

اگر گردی تو در توحید فانی زحق یابی بقائے جاودانی
فنا ترک ہو اور نام کرند بقا جملہ صفاتش را شمرند
اگر تو خود کو توحید میں فنا کر دے تو حق تعالیٰ کے فضل و رحمت سے
بقائے جاودانی حاصل کر لے گا۔ عارفوں نے ترک ہوا (خواہشاتِ نفسانی
کو چھوڑ دینے) کا نام فنا رکھا ہے اور اس کی (اللہ تعالیٰ) کی صفات (کمالات
و پاکیزگی کے حصول) کو بقا شمار کیا ہے۔

محبوبِ سبحانی، قطبِ ربّانی، محی الدین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی
قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں: ”اے سالک! اپنے نفس کی خواہش
اور اس کی متابعت سے باہر نکل اور اس سے علیحدہ ہو جا اور اپنی ذات کی
بادشاہی سے بیگانہ ہو جا (یعنی جہاں تیرا نفس حکمرانی کرتا ہے وہاں سے کنارا
کر) اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔ پس تو اپنے دل کے دروازہ پر
اللہ تعالیٰ کا چوکیدار بن جا۔ اور جس شے کے (دل میں) داخل کرنے کا وہ
تجھے حکم دے اسے داخل کرنے میں اس کے حکم کی تعمیل کر اور جس شے کے
روکنے کا وہ تجھے حکم دے تو اسے روکنے میں اس کا حکم مان اور خواہشِ نفسانی
کے نکل جانے کے بعد اسے اپنے دل میں داخل نہ کر۔ دل سے خواہشِ نفسانی
کا نکال دینا یہ ہے کہ ہر حال میں اس (نفس) کی مخالفت کی جائے اور اسکی
پیروی کو ترک کر دیا جائے اور دل میں ان (خواہشاتِ نفسانی) کا داخل کرنا یہ

ہے کہ اس کی پیروی اور موافقت کی جائے۔ اس کی مخلوقات میں سے کسی چیز کو بھی اس کا شریک نہ ٹھہرایا۔ پس تیرا ارادہ تیری حرص و ہوا اور تیری خواہشات سب کی سب اس کی مخلوق ہیں۔ پس تُو نہ کچھ ارادہ کر، نہ لالچ کر اور نہ کوئی (نفسانی) خواہش رکھ تاکہ تُو مشرک نہ بن جائے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ (پ ۳۶۱-۳۶۲) ”تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اُسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے“ محض بتوں کی پوجا ہی شرک نہیں بلکہ شرک یہ بھی ہے کہ تُو اپنی خواہشات و ہوا و ہوس کی پیروی کرے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دنیا و مافیہا سے اور آخرت و مافیہا سے اُس (پروردگار) کے علاوہ کسی بھی چیز کو چُن لے اور پسند کر لے تو خداوند تعالیٰ کے بغیر جو کچھ بھی ہے وہ خدا نہیں اور جب تو غیر اللہ کی طرف جھک گیا تو بے شک تُو نے غیر اللہ کو اس کے ساتھ شریک کر دیا۔ (فتوح الغیب)

۵ ماسواحتی کے جوہے دل میں خیال

بُت سے وہ کچھ کم نہیں اے بدخصال

۵ دل یکے خانہ ایست ربّانی خانہ دیو را چہ دل خوانی بہ

دل ایک وہ گھر ہے جو صفات و تجلیات ربّانی کا مقام ہے۔ قلب

المؤمن عرش اللہ تعالیٰ۔ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ حدیث

قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”میں زمین و آسمان (کی وسعتوں) میں نہیں

سماتا لیکن مومن کے قلب میں سما جاتا ہوں“ پس دل کہلانے کا مستحق وہی

دل ہے جو خانہ ربّانی ہے لیکن جو دل شیطان کا مسکن ہو اس کو ”دل“ کہنا ہی

غلط ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ”رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَادِکُمْ وَلَا اِلٰی صُورِکُمْ وَلَا کُنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُمْ وَاِشَارِ بِاَصَابِعِہِ اِلٰی صُدُورِہِ۔ (مسلم شریف ص ۳۱ جلد دوم) بلاشبہ اللہ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، لیکن وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے، اور یہ فرماتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا یعنی دل کے مقام کی نشاندہی فرمائی۔ پس اگر قلب ہوا دھوس و خیالاتِ فاسدہ اور حُبِ دُنیا سے پاک ہے تو عرشِ الہی ہے ورنہ بُتِ خانہ ہے۔

اگر تو زندگی خواہی دل از جان و جہاں بگسل

نہ یابی زندگی تا تو ز بہرِ این و آن میری

اگر تو حقیقی زندگی چاہتا ہے تو جان و جہان کے تعلقات سے دل کو توڑ لے، جان و جہان سے بے نیاز ہو جا۔ جب تک تو کبھی اس کے لئے اور کبھی اُس کے لئے (ما سوئی اللہ کے لئے) مت رہا ہے گا حقیقی زندگی نہ پاسکے گا۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے۔ ”اُس شخص کی مثال جو (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرتا ہے اور اُس شخص کی مثال جو ذکر نہیں کرتا زندہ اور مُردہ کی مثال ہے۔ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے: تَخْلُقُوا بِاخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی تم اخلاقِ الہی، اوصافِ ربّانی زیادہ سے زیادہ اپنے اندر جذب کر لینے کی کوشش کرو۔ اس کے تحت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”جب مومن نفسِ امارہ کی سرکوبی کر لیتا اور صفاتِ رذیلہ سے مبرا ہو جاتا ہے اور آئینہ دل کو ذکرِ الہی سے صیقل کر لیتا ہے تو صفاتِ بشریہ سے نکل کر

متَّصِفِ بِصِفَاتِ اللّٰهِ ہوجاتا ہے۔ اللہ خلقکم وما تعملون جو کچھ افعال وغیرہ سے ظہور میں آتا ہے من جانب اللہ ہوتا ہے۔ پس تدبیر اس تخلیق کی مجاہدہ ہے وَالَّذِينَ جَاهِدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ حتیٰ کہ جس طرح لوہا آگ میں تپ کر آگ کے خواص اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اُسی طرح مومن مجاہدہ سے صفاتِ الہی کا مظہرِ کامل بن جاتا ہے۔ (امداد المشتاق)

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں ”صوفی کا دل جو ہمیشہ متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور ذکرِ قلبی ولسانی میں مصروف رہتا ہے اب وہ ذکرِ ذات کی طرف توجہ کرتا ہے (اس کو ذکرِ ذات کی طرف ترقی ہوتی ہے) اُس وقت وہ عرشِ الہی کی مانند ہوجاتا ہے یعنی جس طرح عرشِ اس عالم میں خلق و حکمت میں قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح قلبِ ذاکرِ عالمِ امر و قدرت کا عرش بن جاتا ہے۔“ حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”قلب عرش کے مشابہ اور ذاکر کا سینہ کُرسی کے مانند ہے۔“ حدیثِ قدسی ہے ”زمین و آسمان مجھے اپنے اندر نہیں سما سکتے لیکن بندہ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے اُس کا دل مجھے اپنے اندر سما سکتا ہے۔“ جب قلبِ ذکرِ ذات سے نورانی اور نور آگیاں اور ہوائے قُرب سے بحرِ مَوَاج (ٹھاٹھیں مارتا سمندر) بن جاتا ہے تو اُس وقت اخلاقِ حسنہ صفاتِ نفس کی نہروں میں بہنے لگتے ہیں (یعنی صفاتِ نفس اخلاقِ حسنہ میں تبدیل ہوجاتے ہیں) اور اُس وقت اخلاقِ الہی سے تَخَلُّقِ ثابِت ہوجاتا ہے۔

(یعنی اخلاقِ الہی اس میں ثابت و راسخ ہوجاتے ہیں)۔ شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) اسمائے حسنہ، سالکِ طریقت

کے اوصاف بن جاتے ہیں اگرچہ سلوک کی منزل میں ہو اور اصل سچی نہ ہو اور شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ بندہ سالک ہر اسم خداوندی سے ایک صفت کا حامل بن جاتا ہے جو بشری کمزوریوں اور انسانی کوتاہیوں کے مناسب حال ہوتی ہیں (یعنی بشریت جس کی متحمل ہو سکتی ہے) مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے اسم صفاتی "الرحیم" سے رحم کرنے کی صفت یا وصف بقدر طاقت بشری اختیار کر سکتا ہے۔ مشائخ کرام اور صوفیائے عظام نے اسماء و صفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اور جو علوم تصوف میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور اہم ہیں اور ان کے نادر علوم کا ایک حصہ ہیں وہ اسی کے مطابق ہے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں (صوفیائے کرام نے اس کی تشریح اسی طرح کی ہے جس طرح ہم نے صراحت کی ہے) اگر کوئی اس سے حلولِ خداوندی کا ذرہ بھر بھی خیال کرتا ہے (جیسا کہ فرقہ حلولیہ کے عقائد ہیں) تو وہ زندیق اور الحاد کا علمبردار ہے۔ اخلاقِ خداوندی سے متخلّق پیدا کرنے میں یا ہونے میں بقدر طاقت بشری کی قید سے نظریۂ حلول باطل ہو جاتا ہے۔ (عوارف المعارف)

کثرتِ ذکر سے ذکر کے قلب پر انوارِ الہیہ کا نزول ہوتا ہے اور روح منور ہوتی ہے، اسمائے الہیہ میں سے جس اسم کا ذکر بکثرت کیا جائے گا اسی اسم کی صفاتی تجلیات ذکر کے قلب و روح پر منعکس ہوں گی۔ جس اسمِ الہی کا ذکر کثرت اور مداومت کے ساتھ کیا جائے اس اسم کی صفات و برکات ذکر کے باطن میں رفتہ رفتہ سرایت کرتی چلی جاتی ہیں اور ذکر کے قلب و باطن پر اسم مذکور کے خواص و اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں حتیٰ کہ ذاتِ ذکر اسم مذکور کے خواص و برکات و اثرات کی مظہر اور مظہر بن جاتی ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ بندے کو جو

حاجت ہو اُسی نسبت سے اسمِ الہی کا ورد کرے اور ذکر کرتے وقت اسم سے پہلے حرفِ ندائیہ ”یا“ کہے مثلاً بیمار شفا کا طالب اسمِ شافی کا ورد کرے یا شافی کہہ کر۔ مغفرت کا طلبگار یا غَفَّار۔ بدکار پکارے یا سَتَّار۔ رزق کی وسعت کے لئے یا رَزَّاق۔ دُنوی و اُخروی نعمتوں کے حصول کے لئے یا وَهَّاب۔ عزت و دولت کا طلبگار یا مُعِزُّ۔ دُعاؤں کی مقبولیت کے لئے یا مُجِيب۔ بگڑے کام سنوارنے کے لئے یا وَكِيل۔ دشمنوں، بدخواہوں کے خوف سے نجات پانے، تمام حاجات کی تکمیل اور آفتوں سے محفوظ اور تمام مخلوق سے بے نیاز ہو جانے کی تمنا ہو تو یا صَمَد کا بکثرت ورد کرے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز نے فرمایا: ”اس اسم کی تجلی جس پر پڑ جائے وہ کونین سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔“ ظالموں کے ظلم سے بچنے کے لئے یا مُقْسِط کا بکثرت ورد کرے۔
وقس علی ذالک۔

دُعَا بتوسل اسماءِ الہیہ باعثِ اجابت ہے

عن بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُولُ - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ دَعِیْ اللّٰهُ بِاسْمِہِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ اَعْطٰی وَاِذَا دَعِیْ بِہٖ اَجَاب - (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ الہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اس لئے کہ تُو

معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، ایک ہے، جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ (یعنی یا مولیٰ تیرے ناموں کے توسل و وسیلہ سے دعا مانگ رہا ہوں، ان ناموں کے صدقے سے میری سُن لے۔ یہ دعا مانگنے والے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنا بہتر ہے اور باعثِ اجابت کہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس نے اللہ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دعا کی ہے، جب اسمِ اعظم سے مانگا جائے تو (اللہ تعالیٰ) عطا فرماتا ہے اور جب اس نام سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے۔

وعن انس قال كنت جالسا مع النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد ورجل يصلي فقال اللهم اني اسئلك بان لا الحمد لا اله الا انت الحنان المتان بديع السموات والارض يا ذا الجلال والاكرام يا حي يا قيوم اسئلك فقال النبي صلى الله عليه وسلم دعا الله باسمه الاعظم الذي اذا دُعِيَ به اجاب واذا سئل به اعطي۔ (رواه الترمذي وابوداؤد والنسائي وابن ماجه) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”میں مسجد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ الہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو ہی لائق تعریف ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو مہربان نعمتیں دینے والا ہے آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اے جلالت و کرم والے، اے زندہ اے قائم رکھنے والے میں تجھ سے مانگتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُس نے اللہ سے دعا مانگی ہے اُس کے اسمِ اعظم سے کہ جب اس نام سے دعا مانگی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور جب اس نام سے

کچھ مانگا جائے تو وہ دیتا ہے۔“ ان دونوں حدیثوں میں اَللّٰهُمَّ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا انت مشترکہ طور پر موجود ہیں اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ ان دونوں میں کوئی نام ”اسم اعظم“ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جمعہ کی ساعت قبول دعا اور لیلۃ القدر کی طرح اسم اعظم بھی مخفی ہے تاکہ بندے اس کی تلاش میں رہیں۔ یہ تلاش بھی عبادت ہے۔ (مرآت)

اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ وَاللّٰهُمَّ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور سُورۃ آل عمران کے شروع میں اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ دارمی مشکوٰۃ) اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا اسم اعظم ”لا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ“ ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں یہی مشترک ہے۔ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اسم اعظم ”الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“ ہے۔ امام جزری علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ اسم اعظم ”لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ“ ہے۔ محدث حاکم علیہ الرحمۃ نے حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے روایت کی کہ اسم اعظم ”رَبِّ“ ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اسم اعظم ”اَللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ“ ہے۔ بعض نے فرمایا۔ کلمہ طیبہ اسم اعظم ہے۔ غرضیکہ اسم اعظم کے بارے میں بہت روایات ہیں جنہیں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں اور علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے ”مقات شرح مشکوٰۃ“ میں جمع فرمایا ہے۔ خیال رہے کہ

اللہ تعالیٰ کے سارے نام عظیم ہیں کوئی ناقص نہیں۔ مگر بعض نام ”عظم“ یعنی بہت بڑے ثواب و تاثیر والے ہیں۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جو نام خلوص دل اور عشق و محبت سے ذکر کیا جائے وہی اسم اعظم ہے۔ یہی امام جعفر صادق قدس سرہ العزیز کا قول ہے۔ (مرآت شرح مشکوٰۃ)

ذکر اللہ جملہ عبادات سے افضل و اعلیٰ ہے

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاهاعند ملیکمم وارفعہا فی درجکم
 وخیر لکم من انفاق الذهب والورق وخیر لکم من ان تلقوا
 عدوکم فتضربوا اعناقہم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال
 ذکر اللہ رواہ مالک و احمد والترمذی وابن ماجہ الا ان
 مالکا وقف علی ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت ابودرداء
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں
 تمہارے اعمال میں سے بہت اچھا عمل نہ بتا دوں جو تمہارے رب کے نزدیک
 بہت ستھرا اور تمہارے درجات میں بہت بلند درجہ دلانے والا اور تمہارے
 لئے سونا چاندی خیرات کرنے سے بھی بہتر ہو۔ (وہ عمل بدنی و مالی عبادات سے
 افضل ہو) اور تمہارے لئے اس سے بھی بہتر ہو کہ تم دشمن سے جہاد کرو اور تم ان
 کی گردنیں مارو اور وہ تمہیں شہید کریں۔ صحابہ نے عرض کی ”ہاں“ فرمایا:
 وہ عمل اللہ کا ذکر ہے۔“

اس حدیث سے واضح ہوا کہ ذکر اللہ تمام عبادتوں سے افضل و اعلیٰ

اور برتر ہے اس لئے کہ تمام عبادات سے مقصود ذکر اللہ ہی ہے۔ ذکر اللہ سے مومن کے درجات دوسرے اعمال کی بہ نسبت زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ راہِ خدا میں سونا چاندی خیرات کرنے اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی ذکر کا مقام ارفع ہے۔ اس لئے کہ جہاد میں مقابلہ ظاہری دشمنوں سے ہوتا ہے۔ ظاہر دشمن کے داؤ پیچ ظاہر ہوتے ہیں اُن کا مقابلہ کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا۔ یہ ایسے دشمن ہیں جو دکھائی نہیں دیتے اُن کے داؤ پیچ بھی نظر نہیں آتے۔ پس ظاہری دشمن کے مقابلہ میں مخفی دشمن کا مقابلہ سخت تر اور مشکل ترین ہے۔ اسی لئے ”ذکر اللہ“ جہادِ اکبر ہے کہ اس میں تزکیہٴ قلب ہے، قلبِ مومن اللہ تعالیٰ کا بارغ ہے، قلبِ مومن معرفتِ الہی کا تخت ہے، قلبِ مومن عرشِ الہی ہے۔ ارشادِ نبوی: ”قلب المؤمن عرش اللہ تعالیٰ“ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ ذاکر، اللہ کے ذکر کے ہتھیاروں سے نفس و شیطان کا مقابلہ کرتا ہے ان کو مغلوب کر کے شکست دے کر اشرف مقام حاصل کرتا ہے اور قلب کی حفاظت کرتا ہے۔ قلب سے نفس و شیطان کا عمل دخل ختم کرتا ہے، اپنے قلب کو ان کے شرور سے پاک و صاف کر کے معرفتِ الہی کا مسکن بناتا ہے۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر اللہ تمام عباداتِ بدنی و مالی سے افضل و اعلیٰ و برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے وَكَذَٰلِكَ اللَّهُ أَكْبَرُ۔ اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ ”حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے بندے تیرا دل میرا بارغ ہے اور میری جنت تیرا بارغ ہے۔ پس اگر تو میرے بارغ (یعنی اپنے دل) میں میرے لئے جگہ بنانے میں مَجَل کرے تو میں بھی تیرے بارغ (یعنی اپنی جنت)

میں تجھے جگہ دینے میں ضرور بُخل کروں گا“ (تفسیر فتح العزیز پارہ اول)۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بُخل سے پاک و منزہ ہے۔ اس حدیث قدسی کا مطلب یہ ہے کہ اگر بندہ میری یاد سے میرے ذکر سے اعراض کرے گا، اپنے قلب کو ذکر سے پاک و صاف نہ کرے گا، اپنے دل میں میری جگہ نہ بنائے گا۔ میری محبت، میرا عشق اور میری معرفت اپنے دل میں جاگزیں نہ کرے گا تو میں بھی اس کو جنت میں داخل نہ کروں گا۔ یہ غافل کی غفلت کی سزا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ مومن کی ہر ساعت ذکر اللہ میں گزرنی چاہیے۔ ”جو دم غافل سو دم کافر“ دنیاوی کاروبار میں اس قدر منہمک نہ ہونا چاہیے کہ آدمی ذکر اللہ سے غافل ہو جائے۔ غافل کے دل پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس (رواہ البخاری) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ”شیطان آدمی کے دل پر چمٹا رہتا ہے (یعنی غافل مسلمان کے دل پر شیطان اس طرح چمٹا رہتا ہے جیسے شہد پر مکھی) پھر جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے (اُٹھ جاتا ہے منہ پھیر کر بھاگ جاتا ہے) اور جب آدمی (ذکرِ خدا سے) غافل ہو جاتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے۔“ ایک اور روایت میں ہے: واذا غفل التقم قلبہ فحدّثہ ومثاہ۔ جب (مومن) آدمی ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے شیطان اس کے قلب کو لقمہ بنا لیتا ہے (یعنی اس کے دل پر قابض ہو جاتا ہے اور اس پر متصرف ہو جاتا ہے) اور اس کو بیہودہ باتوں اور فاسد تمغناؤں میں مشغول کر دیتا ہے۔“

ذکر کن ذکر تا ترا جان است پاکی دل ز ذکر رحمان است

جب تک جسم میں جان ہے ذکر کرتا رہ - ذکر رحمان سے دل کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے - ترمذی شریف میں روایت ہے - حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - ایک شخص نے عرض کی - یا رسول اللہ! اسلام کے احکام شرعیہ بہت ہیں (جو تفصیل وار مجھے یاد نہیں ہو سکتے وہ مجھ پر غالب ہیں) مجھے کوئی ایک بات ایسی بتادیں جسے میں مضبوط محکم لوں - فرمایا - ”تمہاری زبان ہر وقت ذکر میں تر رہے“

حدیث قدسی میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے - ”میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں (اپنی رحمت کرم سے، محبت سے، توفیق خیر سے) جب کہ وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے نام سے اس کے ہونٹ ہلتے ہیں“ - (بخاری) یعنی ذکر کرنے والے کو معیت حق تعالیٰ کی دولت نصیب ہوتی ہے - ایک روایت میں ہے ’انا جلیس من ذکر فی‘ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کا ہم نشین ہوں - قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ بکثرت ذکر کرنے والے خود کو ذکر اللہ میں محو کر دینے والے اولیاء اللہ ہوتے ہیں اُن کی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے - اسی لئے عارف رومی قدس سرہ فرماتے ہیں ۛ

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضورِ اولیاء
جو اللہ تعالیٰ کی معیت کا خواہشمند ہو اُسے چاہیئے کہ اولیاء اللہ کے حضور بیٹھا کرے - حاضر ہا کرے ۛ

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا
اولیاء اللہ کے حضور تھوڑی سی صحبت - ان کے پاس کچھ دیر ہی کے لئے بیٹھ جانا سو سالہ طاعتِ بے ریا سے بہتر ہے - اور یہ اس وجہ سے کہ عابد کی عبادت میں

ربارِ یسوع - فخر اور خود فریبی وغیرہ شامل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اللہ ہی جانے کہ مدتوں کی جانے والی عبادت قبول بھی فرمائی گئی یا نہیں لیکن صالحین کی برکت اور فیض حاصل ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ نعمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے - بخاری و مسلم کی طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ملائکہ کو گواہ بنا کر مجلسِ ذکر میں شامل ہونے والوں کی مغفرت کا اعلان فرماتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں - رَبِّ فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ وَانَّمَا مَرَّ فِجْلَسٍ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُولُ وَلَهُ غُفِرَتْ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ (مسلم شریف) یارب! اس مجلس میں ذکر کرنے والوں میں ایک فلاں شخص بھی ہے جو ذکر کرنے والوں سے نہ تھا وہ تو کسی کام سے کہیں جا رہا تھا - راستہ میں یہ مجلس نظر پڑی تو کچھ دیر کے لئے بیٹھ گیا (یا کھڑے کھڑے کچھ ذکر سن لیا) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - ”یہ ذکر کرنے والے ایسے ہم نشین ہیں کہ اُن کے ساتھ بیٹھ جانے والا بھی محروم نہیں رہتا - (بخاری)

اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ کی اگر نظرِ کرم ہو جائے تو بڑے بڑے بدکاروں کی ایک لمحہ میں کایا پلٹ جاتی ہے اور انہیں پل بھر میں مقاماتِ ولایت حاصل ہو جاتے ہیں - حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم قدسنا اللہ بامرہ العزیز کی ایک نظرِ کرم سے چور، ڈاکو، قطب و ابدال بنا دیئے گئے ہ

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی
علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ہ

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اُن کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

واضح رہے کہ درود شریف پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے نام پاک کے ساتھ اس کے محبوب کے نام پاک کا ذکر بھی شامل ہو۔ قرآن مجید میں ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے محبوب ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ ”اِذَا ذُكِّرْتُ ذُكِرْتُ مَعَهُ“ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”نہیں بیٹھی کوئی قوم کسی مجلس میں نہ تو اللہ کا ذکر کرنے اور نہ اپنے نبی پر درود پڑھے مگر یہ مجلس اُن پر حسرت (وندامت) ہوگی۔ اگر اللہ چاہے تو اس (غفلت) پر ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو انہیں بخش دے“

تو جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ ہو، اس کے محبوب پر درود و سلام نہ پڑھا جائے، قیامت میں ان اوقات کے ضائع ہو جانے پر ضرور حسرت و ندامت ہوگی۔ دُعا ہے کہ اللہ ہم سب کو اس حسرت و ندامت سے بچائے اور توفیق بخشے کہ ہم ہر وقت درود و سلام پڑھتے رہیں ذکر اللہ میں مشغول رہیں۔ آمین

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل المحی والمیت (متفق علیہ)
 حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُس کی مثال جو رب تعالیٰ کا ذکر کرے اور جو نہ کرے، زندہ اور مُردہ کی مثال ہے۔ ”یعنی جسم میں رُوح ہے تو زندہ ہے، جسم میں رُوح نہ رہے

تو مُردہ ہے۔ (مُسلم و بخاری)

جیسے زندہ کا جسم رُوح سے آباد ہے مُردہ کا غیر آباد۔ ویسے ہی ذاکر کا دل ذکر سے آباد ہے اور غافل کا دل غیر آباد ہے ویران ہے یا جیسے شہروں قصبوں کی آبادی اور رونق زندوں سے ہے مُردوں سے نہیں، ویسے ہی آخرت کی آبادی اور رونق ذاکرین سے ہے غافلین سے نہیں۔ یا جیسے زندہ دوسروں کو نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے، مُردہ نہیں۔ ویسے ہی ذاکر سے نفع و نقصان خلق خُدا حاصل کرتی ہے غافل سے نہیں یا جیسے مُردے کو کوئی دوا یا غذا مفید نہیں ویسے ہی غافل کو کوئی عمل وغیرہ مفید نہیں۔ اس لئے کہ ہر عمل کی رُوح 'ذکر' ہے غفلت سے ہر عمل بیکار ہے۔ کوئی بھی نیک عمل کرو اس میں یادِ خدا شامل ہو۔ ذاکر مگر کبھی زندہ ہے، اور غافل زندہ دکھائی دیتا ہے مگر مُردہ ہے۔ حضرت ملا علی قاری محدث علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ "اس میں اشارۃً ارشاد ہوا کہ "حی لا یموت" کا ذکر، ذاکر کو حیاتِ غیر فانی بخش دیتا ہے اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں (مرقاۃ) مُسلم شریف میں ہے "جو گھر اللہ کے ذکر سے آباد ہو وہ زندہ ہے اور جو گھر اللہ کے ذکر سے خالی ہو وہ مُردہ ہے۔" گھر سے مُراد مومن کا دل ہے کہ وہ اللہ کا گھر ہے۔ مُبارک ہے وہ جو اس گھر کو آباد رکھے منحوس ہے وہ جو اسے ویران کر دے۔

دل وہی آباد ہے جس میں تمہاری یاد
جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

زندگانی نتواں گفت حیلے کہ مر است
زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد

جو زندگی کہ مجھے حاصل ہے اس کو زندگی نہیں کہا جاسکتا۔ زندہ تو وہ ہے جس کو دوست کا وصال حاصل ہو۔

حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن من عذابی۔ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے تو جو شخص اس میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔“ اس کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت بہاؤ الدین ذکریا قدسنا اللہ باسراہ العزیز کے فرزند حضرت شیخ صدر الدین قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں: ”دو چیزیں ہیں ایک حصن اور ایک حصا حصار کے معنی چار دیواری کے ہیں قطع نظر اس کے کہ اس کی نگرانی و حفاظت کی جائے یا نہیں اور حصن اس چار دیواری کو کہتے ہیں جسے بنانے کے بعد اس کی نگرانی و حفاظت کا بھی اہتمام کیا گیا ہو۔ حصن کی تین حالتیں ہیں:

۱۔ ظاہر ۲۔ باطن ۳۔ حقیقت

قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا کسی اور سے اُمید و خوف نہ رکھے، پوری دنیا بھی اگر دوست یا دشمن ہو جائے تب بھی اللہ کے حکم کے بغیر کسی قسم کا نفع یا نقصان اور اچھائی یا بُرائی نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُفْرِ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۖ اللَّهُ (پ ۱۱ ع ۱۶) اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں (وہی نفع و ضرر کا مالک ہے تمام کائنات اُسی کی محتاج ہے وہی ہر چیز پر قادر اور جود و کرم والا ہے۔ بندوں کو اس کی طرف رغبت اور اس کا خوف اور اسی پر بھروسہ اور اسی پر اعتماد چاہیے اور نفع و ضرر جو کچھ بھی ہے) وہی اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشے والا مہربان ہے۔“ (کنز الایمان)

قلعہ کا باطن یہ ہے کہ مرنے سے قبل اس بات کا جزم و یقین محکم کرے کہ اس ختم ہونے والی سرائے دنیا میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ سب عارضی اور وقتی ہے، کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات و قیام اور بقاء و دوام حاصل ہی نہیں اور اس دنیا کو ختم کرنے کے لئے تقدیر کا قلم چل چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ**۔ اس دنیا کی ہر شے فنا ہونے والی ہے چونکہ خود دنیا کو ثبات و قیام نہیں اس لئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر پوشیدہ طریقے سے اس دنیا میں رہے۔

اور قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف دل سے نکال دے اور یادِ الہی سے دل کو پُر سکون اور مطمئن رکھے اور فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ **الآیۃ**۔ مقتدر بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کے پاس صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں کا مصداق بنے۔ جب اس مقام کے لائق ہو جائے گا تو جنت خود اس کی طلب گار بن کر اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دُور بھاگ جائے گی۔ (اخبار الاخیار۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **”افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور افضل دُعا الْحَمْدُ لِلّٰہ ہے“** (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ) **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ** سے پورا کلمہ مراد ہے یعنی **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** ورنہ صرف **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ** تو بہت سے کفار و موحّد بھی پڑھتے ہیں یعنی بہت سے کافر اللہ کو مانتے اور لاشریک نہ جانے جانتے ہیں بلکہ ابلیس بھی پکا موحّد ہے، **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ** وہ پڑھتا ہے، توحیدِ الہی کا قائل ہے مگر صرف **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ** پڑھ لینا کافی نہیں جب تک

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ نہ پڑھا جائے کلمہ توحید مکمل نہیں ہوتا۔ یعنی اس بات کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار لازم ہے کہ اُس اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں جس نے محمد کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور جو شخص محمد رَّسُولُ اللَّهِ کو نہیں مانتا وہ اُس اللہ کا بھی منکر ہے جو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے مقصود ہے۔ یعنی ایسا شخص کسی ایسے کو اللہ کہتا اور معبود مانتا ہے جس نے محمد کو رسول برحق بنا کر نہیں بھیجا تو ایسا شخص اُس 'حقیقی' اللہ کا انکاری ہے جس نے "محمد" کو حقیقتاً اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ پھر خواہ وہ لاکھوں کروڑوں بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے ساری عمر پڑھتا رہے کافر ہی رہے گا، مومن نہیں ہوگا۔ کافر کا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا مطلقاً بیکار ہے۔ ہاں اگر وہ صدق دل سے ایک بار بھی مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھ لے اور مرجائے اور دوسری مرتبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ نہ پڑھ سکے تو بفضلہ تعالیٰ حقیقی موحّد و مومن شمار ہوگا اور جنت کا مستحق بھی بن جائے گا۔

خُدا کے سب ہیں بندے پر خُدا ملتا نہیں اُنکو
خُدا ملتا ہے اُس کو جو بنے بندہ مُحَمَّد کا

مولائی صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ پڑھ لینے سے کافرو مشرک، مومن بنتے ہیں۔ شرک و کفر کی گندگیاں دُور ہو جاتی ہیں، دل پر چڑھا ہوا زنگ اُتر جاتا ہے اور قلب نُورِ ایمان سے منور ہو کر جگمگانے لگتا ہے۔ قلب کی صفائی کئے لئے کلمہ توحید اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مُبارک کلمہ توحید و رسالت کا مجموعہ ہے۔ اس لئے یہ افضل ذکر ہے اور الحمد للہ افضل دُعا ہے کہ دُعا میں

مُنعم کی حمد و ثناء اور اپنی غرض شامل ہوتی ہے۔ بھکاری، سخی دانا کے دروازے پر حاضر ہو کر اس کی تعریف و توصیف اور حمد و ثنا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے جود و سخا کا طلبگار ہے، اپنی حاجت روائی چاہتا ہے۔ پس جب بندہ مومن الحمد للہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی محتاجی کا اقرار و اظہار کرتے ہوئے مُنعم حقیقی اللہ عز و جل کے فضل و کرم کا معترف بھی ہے اور طلبگار بھی۔ اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کو افضل دُعا فرمایا گیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃِ
لِّلْعَالَمِیْنَ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَجْمَعِیْنَ ؕ

حجۃ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ بآسراہ العزیز فرماتے ہیں:
جاننا چاہیئے کہ ذکر کے چار درجے ہیں۔ اول یہ کہ ذکر محض زبان پر ہو اور
دل اس سے غافل ہو اس کا اثر ضعیف ہوتا ہے، اگرچہ اثر سے یکسر خالی بھی نہیں
ہوتا کیونکہ وہ زبان جو ذکر الہی میں مشغول رہے اُس زبان سے بہر حال افضل تر ہے
جو بیہودہ گوئی میں مشغول رہے یا بالکل معطل ہی رہے۔
دوروزہ زیست غنیمت ہے ذکر حق کر لے!

بدن میں جان دہن میں زبان رہے نہ رہے

دوم۔ دوسرا ذکر وہ ہوتا ہے کہ دل میں موجود تو ہوتا ہے لیکن پوری
طرح متمکن نہیں ہوتا اور دل اس کی قرار گاہ نہیں بن پاتا اور اسکی موجودگی
اس امر پر موقوف ہوتی ہے کہ تکلف اور کوشش سے اسے دل میں رکھنا پڑتا
ہے اور اگر اس کوشش و سعی میں ذرا سی بھی ڈھیل ہو جائے تو پھر دل اپنی
طبعی حالت کی طرف لوٹ آتا ہے اور نفس کی باتوں میں آکر غافل ہو جاتا ہے۔

سوم۔ تیسرا ذکر یہ ذکر الہی دل میں گھر کر چکا ہو اور اس پر متمکن و مسلط ہو چکا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کام کے لئے دل کو آمادہ کرنے کے لئے خاصی جد و جہد درکار ہو اور یہ درجہ عظیم ہے۔

چہارم۔ چوتھا درجہ وہ ہے کہ دل پر ذکر حق کا نہیں بلکہ ذات حق کا غلبہ ہو جائے کہ اس شخص میں جو مذکور (یعنی حق تعالیٰ) کو دوست رکھتا ہے بڑا فرق ہوتا ہے بلکہ گمان یہ ہے کہ ذکر اور آگاہی ذکر کا تصور ہی دل سے محو ہو جائے اور صرف مذکور ہی (ذات حق ہی) دل میں باقی رہ جائے۔ کیونکہ ذکر خواہ عربی میں ہو خواہ فارسی (یا کسی اور زبان) میں نفس کی بات سے خالی نہیں ہو سکتا بلکہ عین سخن ہی کہلاتا ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ دل ہر طرح کے سخن سے خالی ہو جائے اور مکمل طور پر ”اُسی کا“ بلکہ ”اُسی سا“ ہو جائے اور دوسری کسی شے کی اس میں گنجائش ہی نہ رہے اور یہ انتہائی درجہ کی محبت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جسے عشق کہتے ہیں اور عاشق کی تمام سرگرمیاں معشوق ہی کے لئے وقف ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو یوں بھی ہوتا ہے کہ دل عاشق تصور معشوق میں اس درجہ مُستغرق ہو جاتا ہے کہ خود معشوق کا نام بھی اسے بھول جاتا ہے (دل عاشق میں کیونکر عکس دل رہا ٹھہرے؟ جمال آفتاب آئینہ شبنم میں کیا ٹھہرے؟) اور جب وہ استغراق کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ اپنے آپ کو اور سوائے حق تعالیٰ کے دنیا و کائنات کی ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے تو تصوف کی راہِ اول تک پہنچ جاتا ہے کہ یہی وہ حالت ہے جسے صوفیائے فنا و نیستی کے نام سے موسوم کیا ہے یعنی اُس کے ذکر سے جو کچھ ”ہے“ ”نہیں ہے“ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ (کیسے)

عارفِ حق مولانا رومی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں سہ

تیغ 'لا' در قتلِ غمیرِ حق براند در نگر زان پس کہ بعد از 'لا' چہ ماند

ماند 'الا اللہ' باقی جملہ رفت شاد باد اے عشقِ شرکتِ سوزِ خست

کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" کہتے ہوئے جب 'لا' (نہیں) کی تلوار سے

تمام ماسوی اللہ کو قتل کر ڈالا (اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے سب کی نفی کر دی گئی)

تو اس کے بعد اب غور کر کے دیکھ کہ اس 'لا الہ' کے بعد کیا باقی رہ گیا؟ "الا اللہ"

ہی رہ گیا اس کے سوا جو کچھ تھا نہ رہا۔ اور چونکہ یہ کارنامہ عشق ہی کی بدولت

انجام پایا اس لئے مولانا رومی علیہ الرحمۃ عشق کو شاباش دیتے ہیں اے عشق

شاد رہ کہ تو نے شرک کے تمام سامان جلا کر رکھ دیئے۔ العشق نارِ حرق

ماسوی اللہ۔ عشق وہ آگ ہے جو ماسوی اللہ کو جلا کر بھسم کر ڈالتی ہے یعنی

فنا کر دیتی ہے۔ ماسوی اللہ میں خود عاشق کا وجود بھی شامل ہے وہ بھی فنا

ہو جاتا ہے یعنی اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بھی فراموش

کر بیٹھتا ہے اور جب اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیا تو گویا اپنے آپ سے بھی نیرت

یعنی غیر موجود ہو گیا اور جب حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی۔

(حتیٰ کہ اپنی ذات بھی) تو ذاتِ حق تعالیٰ ہی "ہست" یعنی موجود رہ جاتی ہے

اور ذاتِ حق میں فنا ہو جانے والا سوائے اس کے کچھ دیکھتا ہی نہیں اور غلبہٴ حق

میں پُکار اٹھتا ہے "لا موجود الا هو" اس کے سوا اور کوئی موجود نہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "اس مقام پر پہنچ کر اس کے

اور حق تعالیٰ کے درمیان جدائی ختم ہو جاتی ہے اور یگانگی حاصل ہو جاتی ہے اور

یہ توحید و وحدانیت کا پہلا عالم ہوتا ہے کہ جدائی کی بھی خبر نہیں رہتی کیونکہ اُسے

جُدائی اور دُوری کا احساس ہی نہیں رہتا کیونکہ جُدائی کا احساس اُسی کو ہوتا ہے
جو دو چیزوں کو علیحدہ علیحدہ جانتا ہو یعنی اپنے آپ کو اور ذاتِ حق کو سہ

ہماری بے خودی تمہید ہے تیری نمائش کی

مٹا کر نقش اپنا ہم ترا نقشہ جلاتے ہیں

جب ذکر اس درجہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو فرشتوں کی صورتیں اس کے
سامنے نمودار ہونے لگتی ہیں اور ارواح، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام پیاری
پیاری شکلوں میں اس کے رُوبرُو بلا حجاب جلوہ نما ہونے لگتے ہیں اور جو کچھ
اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اُس پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایسے ایسے
عظیم الشان احوال و واردات ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ انہیں الفاظ و عبارات کا
جامہ پہنانا ممکن نہیں۔ (کیمیائے سعادت)

جو لوگ اس راہ کے راہرو نہیں، عباداتِ الہی اور ذکر و فکر سے غافل ہیں
دُنیا دار ہیں اور حُبِ دنیا میں غلطاں اور طلبِ جاہ و مال میں سرگرداں ہیں یا
پھرو گمراہ جو سائنس و فلسفہ کے دلدادہ اور راہِ حق سے دُور افتادہ ہیں اہلِ لُٹ
کے احوال اور ان کے مبنی بر صداقت اقوال کو تسلیم نہیں کرتے محض اس بنا
پر کہ اُن کو ان باتوں کا علم و مشاہدہ حاصل نہیں انکار کر دیتے ہیں۔ مولانا رومی
قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں سہ

فلسفی منکر شود در فکر و ظن گو برو سرا بداں دیوار زن

فلسفی صرف قوتِ فکریہ اور مقدماتِ ظنیہ کی بنا پر حقائقِ عالیہ کا انکار کرتا ہے
اُسے کہہ دو کہ ساری عمر اسی دیوارِ فکر سے سر بھوڑتا رہے سہ

فلسفی گوید ز معقولات دُوں عقل از دلیز مے ناید بروں

فلسفی عقلیاتِ سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اور اس کی عقل ابھی سفلیات کی دہیز سے باہر نہیں نکلی علومِ عالیہ تک تو کیا پہنچتی؟

گویا وہ کہہ رہا ہے کہ پر تو سودائے خلق بس خیالات آورد در رائے خلق وہ فلسفی کشف کے متعلق یوں کہتا ہے کہ ان لوگوں کو غلط سوداؤ کا اثر ان اشخاص کے ذہن میں کچھ خیالات (غلط) جمع کر دیتا ہے فلسفی لوگ چونکہ عالمِ محسوسات کے مقید اور امورِ باطن کے منکر ہوتے ہیں اس لئے وہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مشاہدات اور مکشوفات کو سوداؤ اور تخیلاتِ باطلہ بلکہ جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

بلکہ عکسِ آں فسادِ کفر او آں خیالِ منکرے رازد بر او در حقیقت ان حضرات کو سوداؤ ہی بلکہ برعکس اس کے فلسفی کے فسادِ عقائد اور کفر کی شامت نے یہ مُنکرانہ خیال اس کے اندر پیدا کر دیا ہے۔ ہر کہ را در دل شک و یحسانی است در جہان او فلسفی پنهانی است بلکہ جس بھی شخص کے دل میں کج فہمی اور شک کا مادہ ہو وہ دُنیا میں چھپا فلسفی ہے۔

عارف باللہ مولانا رمی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فلسفیوں کی تردید و مذمت کے بعد ہر اُس شخص کی تردید و مذمت فرماتے ہیں جو محبوبانِ خدا کے احوالِ عالیہ اور اُن کے مشاہدات و مکشوفات کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا ہو۔ خواہ وہ نماز روزہ کا پابند ہو اور خود کو متقی و پرہیزگار سمجھتا ہو یا پکا دُنیا دار ہو وہ چھپا فلسفی ہے۔ فرماتے ہیں۔

در نیابد حالِ نچتہ پیچ خام پس سخن کوتاہ باشد والسلام

یہ لوگ ناقص الحال ہیں اور کوئی ناقص آدمی ولی کامل کا حال معلوم نہیں کر سکتا پس ایسے لوگوں کے سامنے قصہ کوتاہ کر دینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا۔ اللہ والوں، مومنوں سے جب جاہل لوگ (جہالت) کی بات کریں تو وہ ان جہال سے اُلجھتے نہیں بلکہ کہہ دیتے ہیں ہمارا سلام ہے اور ان کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اب مولانا رمی علیہ الرحمۃ پختہ ہونے کا طریقہ بتاتے ہیں کہ جس سے خامی دُور ہو جائے اور اسرارِ عشق و معرفت سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو جائے ۛ

بند بگمل باش آزاد اے سپر چند باشی بندِ سیم و بندِ زر
بیٹا! قید کو چھوڑ آزاد ہو جا۔ چاندی سونے کے خیال میں تو کہاں تک مقید رہیگا
اس کا اصول یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے تعلقات نہ رکھے جائیں اور مال و دولت
کا شوق منقطع کر دیا جائے ۛ

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد اُو ز حرص و عیب کُلی پاک شد
جس شخص کا جامہ عشق سے چاک ہو گیا وہ حرص اور ہر قسم کے عیب سے بالکل پاک
ہو گیا۔ عشق حقیقی تہذیبِ اخلاق اور تزکیہ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ ذکر و فکر
سے قلب میں محبتِ الہی پیدا کی جائے۔ جس سے تمام اخلاقِ ذمیمہ خود بخود دُور
ہو جاتے ہیں کیونکہ رُوح میں جو لطافت پیدا ہو جاتی ہے وہ ان کیفیاتِ کثیفہ کو
برداشت نہیں کر سکتی ۛ

شاد باد اے عشق خوش سوداے ما اے طبیبِ جملہ علتہائے ما
اے عشق! جو ہمارا اچھا جنون ہے، اے ہمارے تمام اخلاقی و رُوہانی امراض کے
طبیب تو خوش رہے۔

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

بذل مال وجاہ و ترک نام و ننگ در طریق عشق اول منزل است

مال وجاہ سے کنارہ کش ہو جانا اور نام و ننگ کا ترک کر دینا راہِ عشق میں پہلی منزل ہے اس لئے مال وجاہ کی حرص اور دنیوی چند روزہ ناموری اور جھوٹے وقار کی طمع آدمی کو بے دین تک بنا دیتی ہے اور اس کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : ما ذئبان جائعان أُرسلَا فی غنم یا فسد لہما من حرص المرء علی المال والشرف لدینہما۔

(رواہ الترمذی والدارمی - مشکوٰۃ) دو جھوکے بھڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں۔ وہ ان بکریوں کو اس سے زیادہ خراب نہیں کرتے جتنی خرابی انسان کے مال وجاہ کی حرص سے اس کے دین میں واقع ہوتی ہے اس لئے کہ انسان مال و دولت اور وقار و عزت کے حصول کی خاطر نہ حلال و حرام میں تمیز کرتا ہے اور نہ ہی خلافِ اسلام حرکات سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد محض حصولِ دنیا ہوتا ہے ایسے شخص کو عبادت اور ذکر و فکر کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ اپنی تمام عمر مال و دولت اور نام و نمود کی خاطر ضائع کر دیتا ہے تو جس شخص کے دل میں حُبِ دنیا گھر کر جائے۔ اس کے دل میں اللہ کی محبت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے اور اُس کا قلب کیونکر روشن ہو سکتا ہے ؟ (مفتاح العلوم)

حضرت شاہ شرف الدین بُوعلی قلندر قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں

حُبِ دنیا چوں کند بر دل نگاہ دل چو خارا گردِ دشتِ سخت و سیاہ

کو گردِ درِ روشن چشمِ لقیں بستہ گردد بعد ازاں درہائے دیں

جب دنیا کی محبت دل پر نگاہ ڈالتی ہے تو دل پتھر کی طرح سخت اور سیاہ

ہو جاتا ہے۔ یقین (ایمان) کی روشن آنکھ اندھی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد
دین کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

دل چُو آلودہ ست از حرص ہوا کے شود مکشوف اسرارِ خدا
صد تمنا در دلت اے بوالفضل؛ کے کند نورِ خدا در دلِ نزول
جب تراد دل حرص و ہوا سے آلودہ ہے تو اس میں اسرارِ الہی کیونکر ظاہر ہو سکتے
ہیں؟ اے یہودہ بکواسی! سینکڑوں دنیاوی تمناؤں تیرے دل میں بھری ہیں
تو تیرے دل میں خدا کا نور کیونکر نازل ہو گا۔

اے گرفتار آمدی در بندِ نفس نفس کا فرابخش بشکنِ قفس
تا کنی پرواز سوئے اصل خویش جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش
اے مخاطب! تُو جو نفسِ امارہ کی قید میں گرفتار ہے اس نفسِ کافر کو قتل کر
اور بچرے کو توڑ دے تاکہ تُو اپنے اصل (عالمِ روحانی) کی طرف پرواز کر سکے
اور اپنے اصل آشیانے میں پہنچ جائے۔ مولائے روم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہ
آئینہ ات دانی چرا غماز نیست زاکہ زنگار از رُخش ممتاز نیست
اے مخاطب تُو اسرار و حقائق کو اس لئے سمجھ نہیں سکتا کہ تیرے آئینہ
قلب پر زنگِ غفلت چڑھا ہوا ہے اور اس زنگ کا باعث تعلقاتِ ماسویٰ^۱
ہیں۔ زنگ آلود آئینہ میں جب آدمی کا چہرہ ہی دکھائی نہیں دے تو اسرارِ معرفت
جو نہایت لطیف ہیں تیرے زنگ آلود قلب میں کیونکر محسوس و ظاہر ہو سکتے
ہیں؟

آئینہ کز زنگ و آلائشِ جُبارت پُر شعاع نورِ خورشیدِ خداست
جس شخص کا آئینہ قلب تعلقاتِ ماسویٰ اللہ کی کدورت سے پاک ہے غفلت

کے زنگ اور میل سے صاف ہے وہ خورشیدِ خدا کے نور سے جگمگا رہا ہے۔ نورِ خدا کی شعاعوں سے اور تجلیاتِ معرفت سے منور ہے ۛ

رو تو زنگار از رخِ او پاک کن بعد ازاں آں نور را ادراک کن
اے طالب! جا پہلے اس آئینہ دل کے چہرے سے زنگار صاف کر پھر اس نور کو حاصل کر یعنی پہلے اپنے دل کو تعلقاتِ ماسوی اللہ سے پاک کر اس کے بعد تیرا دل نورِ حق سے منور ہو سکے گا۔ نورِ معرفت سے قلب روشن ہو سکے گا۔ اے طالبانِ حق! علائقِ سفلیہ سے پاک ہو جاؤ کیونکہ علائقِ سفلیہ جسمانیہ ہی انسان کو عالمِ قدس کی سیر سے باز رکھتے ہیں ۛ

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک نقشہا بینی بُروں از آب و خاک
آئینہ دل جب غفلت کے زنگ سے اور تعلقاتِ ماسوی اللہ کی کدورت سے پاک ہو جائے گا تو تو اس عالمِ آب و خاک یعنی عالمِ ناسوت سے باہر عالمِ مغیبات کے نقوش کو دیکھنے لگے گا۔ عالمِ ملکوت، عالمِ جبروت اور عالمِ لاہوت کی سیر کریگا۔ وہاں کے اسرار کا چشمتِ روحانی مشاہدہ کرنے لگے گا۔ اولیاء اللہ پر توحیدِ افعالی اور توحیدِ صفاتی منکشف اور ظاہر ہو جاتی ہے اس لئے کہ:

سینہ صیقل زدہ از ذکر و فکر تا پذیرد آئینہ نقشِ بکر
ان پاکبازوں نے اپنے سینوں کو ذکر و فکر سے صیقل کر رکھا ہے تاکہ آئینہ قلب معارف و کمالات کے تازہ نقش کو قبول کرتا رہے۔ پس اے مخاطبِ توبھی ہر دم ذکرِ الہی سے اپنے قلب کو صیقل کرتا رہ ۛ

چوں بیابی آں حواسِ نوریں پاہنی بالائے چرخِ ہفتیں
فیضانِ ذکر سے جب وہ دُور تک نظر کرنے والے حواس تم کو مل جائیں گے تو تم

ساتویں آسمان پر قدم رکھو گے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”ذکرِ لسانی و قلبی کرنے سے سالک پر توحیدِ افعالی منکشف ہوتی ہے۔ اُسے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کے سب احوال مثلاً موت و حیات اور شفاء و مرض سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انجام پاتے ہیں پھر وہ ان کو اسباب سے منسوب نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا توکل بڑھ جاتا ہے۔ توحیدِ افعالی کے بعد پھر توحیدِ صفاتی ظاہر ہوتی ہے، اب اسے واضح طور سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل ایک ہے اور تمام اختلافات اس کی شاخیں ہیں اور وہ اصل کو ان صورتوں کے ضمن میں دیکھتا اور پہچانتا ہے مثلاً لفظ ”انسان“ کے مفہوم کلی کو افراد کے ضمن میں دیکھتا ہے وہ اصل کو بے رنگ جانتا ہے اور مختلف رنگوں کو اس بے رنگی کا مانع نہیں سمجھتا۔ توحیدِ افعالی اور توحیدِ صفاتی باہم متصل ہیں۔ ایک کا آخر دوسرے کے اول سے مربوط ہے۔ یعنی توحیدِ افعالی کے ختم ہوتے ہی توحیدِ صفاتی شروع ہو جاتی ہے۔ مگر بہت سے لوگ ساری عمر اسی میں رہتے ہیں انہیں اس سے آگے بڑھنا نصیب نہیں ہوتا مگر شخص قوی الحجۃ اور ذکی الذہن ہے وہ مختلف صورتوں کی کثرت کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے اور اصل واحد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ ذاتی توحید کی تجلی مثل حکمتی ہوئی بجلی کے ہے۔“ (ہمعات)

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۛ

چسیت توحیدِ خدا آموختن خوشتن را پیش واحد سوختن

بتاؤ۔ توحیدِ حق عمل میں لانے کی کیا صورت ہے؟ لوہم سے سنو، اپنے آپ کو

واحد کے آگے فنا کر دینا توحید ہے یعنی جب تک انسان کو اپنے وجود کا احساس ہے وہ جمالِ لم یزل کی دولت مشاہدہ سے بہرہ مند نہیں ہوتا یعنی حقیقی توحید کے مقام پر فائز نہیں ہو سکتا ہے

گر ہم خواہی کہ بفروزی چوروز ہستی ہمچوں شبِ خود را بہ سوز
اگر تم چاہو کہ دن کی طرح روشن ہو جاؤ تو اپنی ہستی کو جرات کی طرح
تاریک ہے فنا کر دو

ہستیت در ہست آن ہستی نواز ہمچو مس در کیمیا اندر گداز
اپنی ہستی کو اُس ہستی نواز کی ہستی میں اس طرح گلا دو جس طرح تانبہ
کیمیا میں ڈھل جاتا ہے۔

عارفِ حق حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :
از پائے تا سرت ہمہ نورِ خدا شوی در راہِ ذوالجلال چو بے پاؤں شوی
”جب تو راہِ ذوالجلال میں بے پاؤں ہو جائے گا یعنی خود کو فنا کر دیگا
تو تیرے سر سے پاؤں تک سب کا سب نورِ خدا ہو جائے گا۔“ یہ وہ مقام ہے
کہ اس مقام پر پہنچ کر بندہ ذکر مقامِ ولایت پر فائز ہو جاتا اور صفاتِ الہی
کا مظہرِ کامل بن جاتا ہے۔

حضورِ غوثِ اعظم قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں :
”پس تو اپنے سارے جسم اور اجزاء کو تمام خلقت کے ساتھ بُت
سمجھ لے اور ان میں سے کسی چیز کی بھی فرمانبرداری نہ کر سں اس وقت تو
آمرِ علومِ لدنیہ اور اللہ کے عجائبات کا امین بنا دیا جائے گا۔ اور تلوین یعنی
پیدا کرنا اور خارقِ عادات یعنی کرامات تیری طرف پھیر دی جائیں گی اور تیرے

سُپر دکر دی جائیں گی۔ وہ کرامات اس قدرت اور طاقت کی قسم میں سے ہیں جو جنت میں مومنوں کو حاصل ہوں گی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُیْ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ نَزَلَ مِنْ غَفْوَرٍ رَّحِیْمٌ اور تُو اُس حالت میں ایسا ہو جائے گا کہ گویا تُو مرنے کے بعد آخرت میں زندہ کیا گیا ہے پس تیرا سارا وجود قدرت الہی کا مظہر بن جائے گا تو خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو نے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو دیکھے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو بولے گا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو پکڑے گا، خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو چلے گا اور خدا تعالیٰ کے ساتھ تُو عقل کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تُو سکون و آرام پائے گا پس تو غیر اللہ سے اندھا اور بہرہ ہو جائے گا اور غیر اللہ کی کوئی ہستی تجھے نظر نہیں آئے گی۔ بشرطیکہ تو حدود الہی کو نگاہ میں رکھے اور امر و نواہی شرعیہ پر پورا پورا قائم رہے اگر حدود الہیہ میں سے کوئی چیز کٹ گئی اور ضائع ہو گئی تو جان لے کہ تُو فتنہ و بلاء میں ڈال دیا گیا ہے اور تیرے ساتھ شیطان کھیل رہے ہیں پس شریعت کے حکم کی طرف رجوع کر اور اسے لازم پکڑ اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دے ہر وہ حقیقت جس کی گواہی شریعت نہ دے وہ بے دینی اور کفر ہے۔ (فتوح الغیب)

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ بامر ارہ العزیز فرماتے ہیں: یہ
رنگ آہن محو رنگِ آتش است ز آتشِ مے لافد و آتش و شست
لوہ کا ذاتی سیاہ رنگ آگ کے سُرخ و تیز رنگ میں محو ہو گیا۔ آگ کی
صفات ظاہر کر رہا ہے اور آگ ہی کی مانند ہو گیا ہے۔

چوں بُسرخِ گشت ہچوں زہرِ کاں پس انا النار است لافش بے گماں
جب لوہا آگ میں ہاتپ کر خالص معدنی سونے کی طرح سُرخ ہو گیا تو پھر

وہ بلاگماں ”میں آگ ہوں“ پُکارنے لگتا ہے ۛ

شُدِ رنگ و طبع آتشِ محتم گویا اُوں آتشم، من آتشم
جب لوہا آگ کی خاصیت اور رنگ سے محتم ہو گیا تو اب وہ زبانِ حال سے
کہہ رہا ہے۔ ”میں آگ ہوں“ میں آگ ہوں“ ۛ

آتشم من گر ترا شک است و ظن آزمون کن دست را بر من بزن
”میں آگ ہوں“ اور اگر تجھے اس میں کوئی شک یا بدگمانی ہے تو تو آزماکر
دیکھ لے، مجھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھ کہ جلا ڈالتا ہوں یا نہیں ۛ

آتشے چہ آہنے چہ لب بہ بند ریش تشبیہ و مشبہ بر مخند
آگ کیا؟ اور لوہا کیا؟ خاموش ہو جا ذاتِ حق کے بارے میں تشبیہ کی گستاخی
نہ کر ورنہ تشبیہ و مشبہ کی ہنسی نہ اُڑانا ۛ

آدمی چوں نور گیر داز خدا ہست مسجودِ ملائک ز اجتبا
آدمی جب خدا کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو بزرگی کی وجہ سے مسجودِ ملائک بن جاتا
ہے ۛ نورِ قرآن باز خواں تفسیر بیت گفت ایزد ہمارَ مَیّتِ اذ رَمِیّت
اے مخاطب! اگر یہ بات تیری سمجھ میں نہیں آتی تو میرے ان ابیات کی تفسیر
قرآن مجید کی اس آیتِ مبارکہ میں دیکھ لے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوبِ صلی اللہ
علیہ وسلم سے فرمایا کہ میدانِ جنگ میں کفار کے چہروں اور ان کی آنکھوں میں
اے محبوبِ خاک و کنکر آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے تھے حالانکہ بظاہر
آپ ہی نے پھینکے تھے۔

شیخ الشیوخ سیدنا داتا گنج بخش قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں :
”اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو ولایت اس لئے عطا فرمائے کہ اُسکی عقد کشتائی

سے مُلک میں عقدہ کشائی ہو اور تمام بند و بست اور امورِ تکوینیہ اُن کے قبضہ میں دے کر اُن کی دُعاؤں کو مستجاب اور اُن کے انفاس کو مقبول بنائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رَبِّ اشْعَثْ اَغْبِرْ ذی طَمْرین لَا یُعْبَا بِہِ لَوْ اَقْسَمَ عَلٰی اللّٰہِ لَا یَبْرُءُ۔ بکثرت بندگانِ خدا پریشان حال، غبار آلود بال بھرے کپڑے پھٹے ایسے ہیں جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ کی قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسموں کو ضرور پورا کرتا ہے۔ (کشف المحجوب)

عارف باللہ مولائے رُوم قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں سہ
ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق ! زیر پایش عرش و کرسی نہ طبق
جو شخص ذکر حق تعالیٰ میں دیوانہ (محو) ہو جائے۔ عرش و کرسی اور نہ طبق یعنی
ساری کائنات اس کے قدموں تلے آجاتی ہے سہ

ہر دمے اور ایک معراج خاص بر سر تاجِ نہد حق تاج خاص
اس کو ہر لحظہ ایک خاص معراج یعنی ترقیٰ مراتب حاصل ہوتی رہتی ہے اس کے
منصبی تاج پر حق تعالیٰ انعام و اعزاز کا خاص تاج رکھ دیتا ہے۔ معراج سے
مُراد مرتبہ قرب ہے چونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے خاصانِ خدا
کو یہ ترقیٰ لحظہ بہ لحظہ علی الدوام ہوتی ہے۔ تاج خاص سے مُراد خلافتِ الہی کا
اعزاز ہے سہ

صُورِش بر خاک و جاں در لامکاں ؛ لامک نے فوقِ وہم سالکاں
اس کا ظاہری وجود زمین پر ہے اور رُوح لامکاں میں ہے وہ لامکاں جو سالکوں
کے وہم سے بھی برتر ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے: ”کسی چیز کے مکان میں متمکن ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایک ممتد شے ایک اور وہی یا حقیقی امتداد کے اندر سمائی ہو اور اس امتداد کو ”مکان“ کہتے ہیں۔“ یہ تمکن یا مکانی ہونا اجسام سے خاص ہے۔ ارواح چونکہ جو اہر مجردہ سے ہیں اس لئے وہ متمکن نہیں ہیں یعنی لامکان ہیں اس پر یہ سوال پیش ہو سکتا ہے کہ اس معنی میں تو ہر ایک رُوح لامکان ہے تو پھر خاصانِ خدا کی ارواح کی کیا خصوصیت ہوئی؟ اس کے جواب میں مولانا رومی نے فرمایا: ”لامکان برتر ز وہم سالکاں“ یعنی علمائے رسوم کے نزدیک ”لامکان“ سے جو عالم مجردات مراد ہے۔ مذکورہ لامکان اس سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور چونکہ وہ ذاتِ حق کی ایک صفت ہے اور اس کی صفات قدیم ہیں اور قدیم کی کنہہ کوئی دریافت نہیں کر سکتا اس لئے یہ لامکان علمائے رسوم کے وہم و فکر سے بلند ہے اور اس کو عالم مکان اور مکانیات یعنی عالم اجسام کے ساتھ اور علمائے رسوم کے منوعہ لامکان یعنی عالم مجردات کے ساتھ یکساں معیت ہے چونکہ انسانِ کامل کو حق تعالیٰ سے قُرب حاصل ہے لہذا اس کی صفت للمکانیت سے وہ بھی تعلق رکھتا ہے۔

لامکان نے کہ در وہم آیدت ہر دمے دروے خیالے زایدت
وہ ایسا لامکان نہیں کہ تیرے وہم میں آسکے اور اس کے متعلق تیرے دل میں دم بہ دم ایک خیال پیدا ہو

بل مکان و لامکان در حکم او ہچو در حکم بہشتی چارچو
بلکہ مکان اور لامکان اس کے حکم میں ہیں جس طرح اہل جنت کے حکم میں چار نہیں ہونگی۔ یعنی وہ اعلیٰ لامکان جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اور اسی لئے قد

کے ساتھ متصف ہے۔ عالم مادیات اور عالم مجردات دونوں پر حاوی ہے لہذا اس لامکان سے تعلق رکھنے والا بھی جو خلیفۃ اللہ ہے صرف علمائے رسوم کے مزعومہ لامکان ممکن ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ مکان و لامکان سب پر حکمران ہے اور اس کا فیض کل عالم کو پہنچتا ہے۔

میرسد فیض سُبکِ رُوحاں بہ اطرافِ جہاں
میشود آفاقِ روشن صبحِ چوں خنداں شود

(صائب علیہ الرحمۃ - مفتاح العلوم)

واضح رہے کہ ان اعلیٰ و ارفع مقامات تک رسائی کے لئے وسیلہ مُرشد لازم ہے جو قدم بہ قدم اور لحظہ بہ لحظہ سالک راہِ طریقت کی رہنمائی و نگہبانی کرے اس لئے کہ یہ راستہ نہایت دشوار گزار اور پُرخطر ہے۔ نفسِ امارہ اور شیطانِ لعین اکیلے راہرو کو منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی ہزاروں لاکھوں حیلوں سے بھٹکا دینے کی سر توڑ کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ اکیلے راہرو جو اس راہ کے نشیب و فراز سے بے خبر ہوتا ہے اکثر اوقات اُن کے دامِ فریب میں آکر بھٹک کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ مرشدِ رومی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں ۷

پیر را بگزین کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
پیر کا تو سُل اختیار کرو کیونکہ پیر کے بغیر سلوک و طریقت مشرورِ نفس و شیطان کی بڑی آفات اور خوف و خطر سے پُر ہے۔

مولانا عبد الرحمن جامی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں ۷

راہ بس باریک و شب تاریک و دُزداں در کمین
بے دلیلے عزم رہ کردن دلیلِ ابلہی است

راستہ نہایت باریک (نازک) ہے۔ رات کا اندھیرا ہے اور چوڑڈا کو گھات میں ہیں۔ ایسی حالت میں کسی رہنما کے بغیر اس راہ میں عزم سفر کر لینا بے وقوفی کی علامت ہے۔“

اُس رہنے کہ بارہا تو رفتہ ۴ بے قلاؤں اندر آں آشفستہ ۶
دیکھو! جس راہ پر تم بارہا چل چکے ہو۔ بسا اوقات اس میں رہبر کے نہ ہونے سے پریشانی اٹھ چکے ہو۔

پس رہے را کہ ندیدی تو پیچ ہیں مرو تنہا ز رہبر سر میچ
پس جس راستہ کو تم نے کبھی بھی نہ دیکھا ہو اُس پر تنہا ہرگز نہ چلنا اور رہبر سے انحراف نہ کرنا۔ بعض اوقات راہرو جب کہ وہ تنہا ہو کسی ایسے راستہ میں بھی دھوکا کھا جاتا ہے جو اس نے بارہا طے کیا ہو۔ پس خیال کرو کہ جو راستہ اُس نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور اس سمت کو کبھی جانے کا اتفاق ہی نہیں ہوا اس پر تنہا چلنے میں اس کے بھول جانے اور مبتلائے آفات ہونے کا کس قدر احتمال ہے ایسی نادیدہ راہ کی سب سے زیادہ روشن مثال راہ سلوک ہے جس پر راہبر کے بغیر ہرگز نہیں چلنا چاہیے۔

ہر کہ اُو بے مُرشدے در راہ شد اُو ز غولان گمر و در چاہ شد
جو شخص کسی مُرشد کے توسل کے بغیر راہ سلوک پر چل پڑا وہ اکثر شیاطین کے اغوا سے گمراہ اور ہلاک ہو گیا۔

گر نہ باشد سایہ پیر لے فضل بس ترا سر گشتہ دارد بانگ غول
لے فضل پسند آدمی! اگر تمہارے سر پر مُرشد کی تعلیم و توجہ کا سایہ نہ ہو تو شیطان کے خطرات اور وسوسوں کی آواز جو تمہارے دل میں گونجتی رہے گی

تم کو بہت پریشان رکھے گی۔

غولت ازراہ افگند اندر گزند از تودا ہی ترددیں رہ بس بُدند
شیطان تم کو صراطِ مستقیم سے بہکا کر ہلاکت میں ڈال دے گا۔ اس راستہ میں
بہت سے لوگ تم سے بھی زیادہ ہشیار گامزن ہو چکے ہیں جن کو شیاطین نے
گمراہ و ہلاک کیا ہے۔

مُرشد کے بغیر گمراہ ہونے کی وجہ جاہل کے لئے تو یہ ہے کہ اس کو شریعت
کا علم نہیں ہوتا۔ ذرا قلب میں ذکر سے کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اپنے آپ کو
صاحبِ کمال سمجھنے لگتا ہے اور متکبرانہ خیال اس کے لئے موجبِ وبال بن جاتا
ہے کچھ کشف ہونے لگا اور اس کی حقیقت نہ سمجھی تو اپنے کشف کے اعتماد پر کسی
امرِ شرعی کا انکار کرنے لگتا ہے۔ کوئی شیطانی خواب نظر آگیا کہ فلاں گناہ کر لو تو
اس کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے خصوصاً جب وہ اپنے باطنی ذوق و شوق میں یا
کشف میں کمی نہیں پاتا تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ فعل جب باطنی کیفیات
کو مضر نہیں تو ضرور حلال ہوگا۔ حالانکہ یہ کیفیات اگر مخالفِ شرع کے ساتھ
ہوں تو قابلِ اعتبار نہیں ہوتیں اور یہ کیفیات جو ریاضت کا ثمرہ ہیں اس فعل
کے مقبول و مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ہیں۔

اگر وہ شخص عالم ہے تو شیطان اس پر اس طرح تسلط کرتا ہے کہ اول کسی
ایسی طاعت کی طرف مائل ہے جس کا انجام کوئی معصیت ہوتی ہے یا ریاضت میں
اعتدال نہیں رہنے دیتا اور اس سے جسمانی ضرر ہوتا ہے جو بہت سی طاعاتِ ضروریہ
کے ترک و تخلف کا باعث بن جاتا ہے کبھی دقائقِ معصیت تک نظر نہیں پہنچنے
دیتا اس لئے وہ شخص ایسے معاصی میں مبتلا رہتا ہے کبھی اپنے معاصی کے

محسوس و معلوم ہونے پر پھر شیطان یہ شرارت کرتا ہے کہ مرض تو کچھ ہوتا ہے اور اس کا چارہ و علاج کچھ اور تجویز کرتا ہے جس سے اس کا نفسانی اور روحانی مرض اور بھی ترقی پذیر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات عقائد میں وسوسہ ڈالتا ہے اور دلیل کے مقدمات میں خدشہ پیدا کرتا ہے حتیٰ کہ اس کو کسی بدعت کا معتقد یا زندہ والحاد کا مرتکب بنا دیتا ہے۔

ملتِ اسلام میں بہتر گمراہ فرقے اسی طرح عالموں کی کج فہمی اور اغوائے شیطان سے پیدا ہوئے ہیں۔ بعض اوقات شیطان اس شخص کو تردد میں ڈال دیتا ہے کہ میرے لئے کونسا عمل بہتر ہوگا کبھی ایک کو چھوڑتا ہے اور کبھی دوسرے کو اختیار کرتا ہے اور کبھی دوسرے کو چھوڑ کر تیسرے کو لاتا ہے اور اس طرح اس کو کسی عمل پر دوام و استقامت نہیں ہوتی اور اس کی برکات حاصل نہیں ہوتیں۔

پس شیطان کے ان سب شرور و مفساد کا سدِ باب یہ ہے کہ شیخِ کامل سے بیعت کی جائے جو ان تمام مشکلات کا چارہ و تدبیر جانتا ہے۔ ذکر و طاعات کا حقیقی مقصد تعلق مع اللہ کا قیام ہے۔ ذکر جو رضائے الہی کے حصول کی خاطر کیا جائے اس سے بعنایت الہی خود بخود تعلق مع اللہ قائم ہو جاتا ہے۔ پس ذکرِ کثیر کے باوجود مکاشفات و کرامات اگر حاصل نہ ہوں تو اس سے مایوس ہو کر ذکر اللہ کو ترک نہیں کر دینا چاہیئے کہ یہ خسران و محرومی کی دلیل ہے۔ یہ امر ہمیشہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ :

تمام عبادات کا نیچوڑ دراصل ذکرِ حق تعالیٰ ہی ہے

اور ذکر حقیقی یہ ہے کہ تمام ادا و نواہی میں یعنی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں اور گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کو بہ دل و جان بجالائیں اور اگر کسی کا ذکر ان امور سے خالی ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کا ذکر دراصل ذکر ہی نہیں بلکہ محض نفس کی باتیں ہیں جنہیں حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں، پس اگر ذکر کو ذکر کثیر کے باوجود اولیاء اللہ کے احوال و مقامات تک رسائی نہ ہو سکے تو اپنی خامیوں یا مہر و مرشد کے ناقص ہونے کی وجہ سے سمجھے اور ذکر سے ہرگز غافل نہ ہو کہ ذکر کی توفیق حاصل ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے چنانچہ عارف رومی قدسنا اللہ باسراہ العزیز نے مثنوی شریف میں ایک قصہ بیان فرمایا ہے کہ ایک ذکر کو شیطان نے بہکایا کہ تم کو تہجد پڑھتے، ذکر و فکر کرتے برسہا برس گزر گئے مگر اللہ کی طرف سے اجابت کا کچھ اظہار نہ ہوا۔ نہ پیام ہے نہ سلام ہے، جب وہ پوچھتا ہی نہیں تو خواہ مخواہ سمر مارنے سے کیا فائدہ ہے۔ یہ وسوسہ آنا تھا کہ رات کو تہجد و ذکر و فکر سب کچھ موقوف کر دیا۔ مگر چونکہ خدا کا مقبول بندہ بن چکا تھا اور اسے اپنی حالت کی خبر نہ تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے دستگیری کی کہ خواب میں ایک لطیفہ غیبی نے آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا۔ 'آج تم نے ہم کو کس لئے مجھلا دیا؟' اس نے شیطان کا وہی وسوسہ بتا دیا کہ آپ کو یاد کرتے کرتے کئی برس گزر گئے جب آپ نے خبر ہی نہ لی تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی سمر مارنے کی کیا ضرورت ہے؟ لطیفہ غیبی نے جواب دیا:

گفت آں اللہ تو لبیک ماست دیں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

کہ ایک بار اللہ کہہ کر جو تم کو دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق مل گئی تو یہی ہمارا

ہمارا جواب ہے اگر پہلا ذکر قبول نہ ہوتا تو ہم تیری زبان ذکر سے بند کر دیتے یہ تیرا
 نیاز اور سوز و درد ہی ہمارا پیام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر و فکر و عبادت کی
 توفیق ملنا بھی مقبولیت کی علامت ہے۔ ورنہ بہت سے ایسے بندے ہیں جن
 کو ذکر اور نماز وغیرہ عبادات کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ ایک نماز پڑھنے کے
 بعد دوسری نماز کے لئے مسجد میں چلے آنا یہ اس امر کی علامت ہے کہ پہلی نماز قبول
 ہو گئی ورنہ دوبارہ اس کی توفیق ہی نہ ملتی اور مسجد میں دوبارہ نہ آتا۔ جو لوگ یہ
 کہا کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور ذکر و فکر کرتے ہیں مگر ہم کو کوئی اثر معلوم
 نہیں ہوتا یہ ان کی غلطی ہے نادانی کی علامت ہے اگر سوچیں تو یہ نفع اور اثر یہ
 کیا کم ہے کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ذکر و فکر کر رہے ہیں۔ اپنی اس حالت پر
 اللہ کا شکر کرنا چاہیئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں ۛ
 منت منہ کہ خدمتِ سلطاناں ہمہ کنی منت شناس از وہ کہ بخدمت گذاشت
 ”اس بات پر احسان نہ جتا کہ تو سلطان کی خدمت بجالا رہا ہے یہ اس کا
 احسان سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت میں لگا رکھا ہے۔“ معلوم ہوا کہ ذکر و فکر
 اور عبادت کرنے والا اپنی حالت پر مغرور نہ ہو اور ناز بھی نہ کرے کہ یہ سب کچھ
 اپنی مرضی اور ہمت سے کرتا ہے بلکہ اللہ کی نظر عنایت پر نظر رکھے ۛ
 بحرے ست بحر عشق کہ ہمیش کنارہ نیست
 آنجا جزاں کہ جاں بہ سپارند چارہ نیست

حضرت امام غزالی قدس اللہ بآسراہ العزیز کی نصیحت

”پس اگر کوئی شخص فنا و نیستی کے درجے پر نہ پہنچ پائے اور یہ احوال و

مکاشفات اس پر ظاہر نہ بھی ہوں لیکن ذکرِ حق اس پر غالب آجائے تو یہ بھی
 کیمیائے سعادت سے کم نہیں کیونکہ جب ذکرِ حق غالب ہو جائے تو حق تعالیٰ
 سے اُنس و محبت بھی از خود غالب ہو کر رہتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
 وہ اللہ تعالیٰ کو تمام دُنیا سے اور دُنیا کی ہر چیز سے عزیز رکھنے لگتا ہے اور اصل
 سعادت یہی ہے کہ جب اس کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف رہے گا اور اسی کی
 صورت ہر دم پیش نظر ہوگی تو لامحالہ موت کے وقت مشاہدۂ حق کی بدولت
 تکلیف نزع کی بجائے کمالِ لذت و راحت اسے حاصل ہوگی اور اسی قدر زیادہ
 ہوگی جس قدر کہ محبتِ الہی اس کے دل میں جاگزیں ہوگی اور وہ شخص جس نے
 دُنیا ہی کو اپنا محبوب بنا رکھا ہو تو اُسے دُنیا کی جدائی کا رنج و درد باعثِ عذاب
 ثابت ہوگا اور اسے دُنیا سے محبت جس قدر زیادہ ہوگی وقتِ مرگ اس سے
 جدائی کا رنج بھی اتنا ہی شدید ہوگا۔ پس اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکرِ کثیر
 کرنے کے باوجود ان احوال و مکاشفات سے محروم رہے جو صوفیاء کو نصیب
 ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ذکرِ حق سے متنفر ہی ہو جائے کیونکہ سعادت
 کا انحصار فقط ان احوال کے مکاشفے پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ دل اگر نورِ ذکر
 سے آراستہ ہو جائے تو کمالِ سعادت سمجھو کہ حاصل ہو گیا۔ اور جو کچھ اس دُنیا میں
 وہ نہیں دیکھ سکا مرنے کے بعد دیکھ لے گا۔ لہذا چاہیے کہ مراقبۂ دل کا التزام
 ہمیشہ جاری رکھے تاکہ وہ دل حق تعالیٰ کے ساتھ رہے اور کبھی تغافل کا شکار
 نہ ہونے پائے کہ ذکرِ دوام ہی وہ کلید ہے جو ملکوتی عجاائب اور حضورِ خداوندی
 کے دروازہ کو کھول سکتی ہے۔“

(”کیمیائے سعادت“)

انسان میں کمال کی بات کون سی ہے؟

حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی۔ ”حضور! آج میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دریا میں پانی کی سطح پر چلتا ہوا جا رہا تھا۔“ آپ نے فرمایا۔ ”یہ کچھ کمال کی بات نہیں، پانی پر تو مینڈک، مرغابی اور تنکے بھی تیرتے پھرتے ہیں۔ اگر اشرف المخلوقات انسان میں مینڈک، مرغابی اور خس و خاشاک کے برابر صفت پیدا ہو گئی تو یہ کونسا کمال ہے؟“ پھر اس شخص نے عرض کی۔ ”حضرت میں نے اس کو ہوا پر اڑتے ہوئے بھی دیکھا۔“ فرمایا۔ ”یہ بھی کوئی کمال کی بات نہیں ہے، ہوا میں چیل، کوئے، مکھی، چھپر بھی اڑتے ہیں، اگر جانوروں کی صفت ”خلیفۃ اللہ“ میں آگئی تو کمال کی کیا بات ہوئی؟“ وہ شخص بولا۔ ”قبلہ! میں نے اس کو ذرا سی دیر میں کہیں سے کہیں جاتے دیکھا۔“ فرمایا۔ ”یہ بھی کوئی کمال نہیں کہ شیطان لعین چتم زدن میں شرق سے غرب میں اور غرب سے شرق میں، شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال میں پہنچ سکتا ہے۔ جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلافت کا شرف عطا کیا اور وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کاتاج پہنایا۔ اس میں اگر شیطان لعین جیسی کوئی صفت آگئی تو یہ کوئی کمال کی بات تو نہ ہوئی۔“ اس شخص نے حضرت ابوسعید ابوالخیر علیہ الرحمۃ سے پوچھا۔ ”تو پھر حضور! انسان میں کمال کی بات کونسی ہے؟“ فرمایا۔ ”مومن ہو۔ اہل وعیال رکھتا ہو۔ رزق حلال کما کر کھاتا اور کھلاتا ہو۔ اتباعِ سنت میں مستحکم ہو اور کسی حال میں کسی وقت خدا سے غافل نہ ہو۔ رَجَالٌ لَا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ كِي صِفَت سَے مَتَصِف ہُو“ کہ اللہ جلّ شانہ نے فرمایا۔ وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔ (تزکۃ الاولیاء)

اُڑاؤ عیش کرو عشرتیں بہت چھولو پھر و جہاز میں موٹر کی گود میں جھولو
اُڑو بلندی پہ اتنا فلک کو بھی چھولو خدا کے واسطے لیکن خدا کو مت چھولو
نئے گویم کہ از دنیا جدا باش بہر جا نیکہ باشی با خدا باش

میں یہ نہیں کہتا کہ معاملات دنیوی سے جدا ہو کر بیٹھ جا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تُو جہاں کہیں بھی ہو خدا تعالیٰ کی معیت میں رہ۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اَنَا جَلِيسٌ مِنْ ذِكْرِنِي“ میں اُس کا جلیس ہوں جو مجھے یاد رکھتا ہے، میری یاد میں رہتا ہے، ہر دم ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی میں مصروف و مشغول رہتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ ع دست بہ کار دل بہ یار۔ کاروبار میں رہتے ہوئے دل یار سے لگائے رہے۔ تمام معاملات میں رضائے الہی کا حصول اس کے پیشِ نظر ہو اور رضائے الہی کا حصول بھی اُسی وقت ممکن ہے جبکہ مومن اتباعِ سُنَّتِ رَسُوْلِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم میں ثابت قدم رہے عشقِ رَسُوْل میں مستغرق ہو اور آداب رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سجاویری میں کسی قسم کی کوتاہی ہرگز نہ کرے۔ خوب یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی رضا ہی میں منحصر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضَوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (پ ۱۰ ع ۱۳)
اللہ و رسول کا حق زائد تھا کہ اُسے راضی کرتے اگر ایمان رکھتے تھے۔

اہل اللہ کا طریقہ ذکر و دوام

اہل اللہ کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حالت میں صنائع اور قدرت وغیرہ صفاتِ الہیہ کے مراقبے میں محو رہتے ہیں۔ یہ مراقبہ کرتے کرتے ان کو اس قدر ملکہ ہو جاتا ہے کہ جو کام کرتے ہیں اس میں جتنی صفاتِ الہیہ اُس کام سے متعلق ہیں سب پیش نظر ہو جاتی ہیں۔ توحیدِ افعال و صفات و ذات جس طرح قرآن مجید اور حدیث میں وارد ہے اس پر اُن کا پورا پورا اعتقاد ہوتا ہے اور موقع بہ موقع اس کو عمل میں لاتے ہیں۔ اُنکی عقلیں تسلیم کر لیتی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات تک اپنی رسائی ممکن نہیں

زانکہ نامحدود ناید در ہدود بحر مطلق چوں در آید در قیود

یعنی تمام عالم محدود ہے اور خالق نامحدود۔ تو نامحدود محدود میں کیونکر آئے۔ بحرِ ناپید کنارِ برتنوں میں کیونکر سمائے؟

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں اُن سے متعلق جو خبر دی ہے اُس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ”الْمَدَّ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۚ فِيْهِ ۙ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ“ وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو جو بے دیکھے ایمان لائیں۔“ جو بات عقل سے باہر اور سمجھ سے ورانہو، اس کو نہ مان کر بتا دیں اپنی سمجھ کے مطابق بنائی جائے تو ایمان بالغیب سے اس کو کیا تعلق؟ غرضکہ اللہ والوں کو مصنوعاتِ الہیہ میں خواہ وہ آفاق میں ہوں یا ان ہی کے نفسوں میں تفکر کرتے کرتے یہ ملکہ

ہو جاتا ہے کہ اپنے ہر کام میں صفات و افعال الہیہ کا مشاہدہ کیا کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت مبارکہ سے واضح ہو جاتا ہے : **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۝** (پ ۴۷ ع ۱۱) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کی بدلیوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے (جو صانع قدیم، علیم، حکیم، قادر کے وجود پر دلالت کرتی ہیں) جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے (یعنی تمام احوال میں) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور اس سے ان کے صانع کی قدرت و حکمت پر استدلال کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ) اے رب ہمارے تُو نے یہ بیکار نہ بنایا بلکہ اپنی معرفت کی دلیل بنایا۔ (خزانة العرفان)

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَىٰ أَنَّهُ وَاحِدٌ

ہر شے میں اس کی نشانی موجود ہے جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں :

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترِ است معرفتِ کردگار
صاحبِ عقل و ہوش کی نظر میں ہر سبز درختوں کے پتے معرفتِ الہی کے لئے
ہر ورق ایک دفتر ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض یافتہ تھے اور ان کے متبعین اہل اللہ علیہم الرحمة جنہوں نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فیض حاصل کیا۔ اس آیت کریمہ پر پوری طرح

عامل رہے۔ اب غور کیا جائے کہ آدمی جو کام بھی کرے گا وہ لیٹ کر کرے گا یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر غرض کہ ان تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں کریگا پھر جب اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہر حالت میں وہ اللہ کا ذکر کیا کرتے ہیں تو اگر اس کے معنی یہ خیال کئے جائیں کہ وہ لا الہ الا اللہ وغیرہ اذکار کیا کرتے ہیں تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے بعد آنے والے اہل اللہ کوئی دوسرا کام کرتے ہی نہ تھے حالانکہ کسب معاش، اہل و عیال کے ساتھ معاملات، ملاقات احباب، جہاد فی سبیل اللہ اور تعلیم و تعلم وغیرہ صد ہا کام کیا کرتے تھے۔ اس صورت میں ذکر سے مراد صرف ذکر لسانی ہی نہیں ہے کیونکہ ذکر کے معنی لغت میں یاد کرنے کے ہیں جو دل کا فعل ہے اور یہ ذکر کامل الایمان حضرات ہمیشہ کیا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي الْنَفْسِ كُفْرٌ أَفَلَا تَبْصِرُونَ (پ ۳۶ ع ۱۸) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو (جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں) اور خود تم میں (تمہاری پیدائش اور تمہارے تغیرات میں اور تمہارے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب و غرائب ہیں جن سے بندے کو شانِ خدائی معلوم ہوتی ہے) تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟ عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں ۷

تن بہ جاں جنبید نہ مے بینی تو جاں
لیک از جنبیدن تن جاں بدایں
پس یقین در عقل ہر دانندہ ہست
ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ ہست

(مثنوی معنوی)

بدن رُوح کی موجودگی سے حرکت میں آتا ہے اگرچہ رُوح دکھائی نہیں دیتی لیکن چونکہ بدن حرکت کر رہا ہے مختلف کام سرانجام دے رہا ہے تو جان لے کہ رُوح موجود ہے اگر بدن میں رُوح موجود نہ ہو تو جسم حرکت نہ کر سکے، پس اسی دلیل سے ہر عاقل یقین رکھتا ہے کہ جبکہ زمین و آسمان کی تمام اشیاء ایک نظم و ضبط کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں، کارخانہ عالم چل رہا ہے تو ضرور کوئی چلانے والا موجود ہے خود بخود نہیں چل رہا کوئی چلانے والا چلا رہا ہے۔ کوئی محرک بغیر کسی محرک کے حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ خود تو دکھائی نہیں دے رہا مگر اس کی قدرت کے آثار تو دکھائی دے رہے ہیں اُسکی نشانیاں تو ظاہر ہیں۔

گر تو اور امے نہ بینی در نظر فہم کن اما بہ اظہار اثر
اگر تو اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھتا تو اس کی مخلوقات میں غور کر اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین کر، اسے اس کی نشانیوں سے پہچان لے، جو کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔

پس اہل عقل و دانش کارخانہ عالم اور خود اپنے وجود کے آثار اور نشانیوں پر غور کرتے ہیں تو ان کو یقین ہو جاتا ہے کہ ان تمام اشیاء و مخلوقات کا خالق ہے اور وہ ایک ہے۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوتے تو نہ کائنات عالم وجود میں آسکتی اور نہ کارخانہ عالم اس عظیم نظم و ضبط کے ساتھ چل سکتا۔ وہی اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے جس کی یہ شان ہے کہ یَدَبُّ الْأَمْرَ كُلَّهُ۔ تمام امور کی تدبیر فرماتا ہے اور یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے اپنے ارادہ سے تمام فیصلے فرماتا ہے۔ پس عقل و درایت سے

ثابت ہوا کہ جتنے کام تمام عالم میں اور آدمی کے جسم میں ہوتے ہیں۔ سب اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر سے ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اہل عقل و دانش ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں مگر ہر موقع کا ذکر جُدا ہے مثلاً جب ان سے کوئی ایسا کام صادر ہو جاتا ہے جو خدا کے حکم کے خلاف ہے تو خدا تعالیٰ کی قہارت اور انتقام کی صفات ان کے پیش نظر ہو جاتی ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد آ جاتا ہے کہ فرمایا: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۚ (پ ۵۷) ”اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں (یعنی ان سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہو) اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔“

اسی طرح ہر موقع کا ذکر جُدا ہے اور خاص خاص صفتوں سے وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کوئی وقت غفلت میں نہیں گزرتا اور کسی کام میں ان کو یادِ الہی سے غفلت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اُن کے حال کی خبر دیتا ہے کہ فرمایا: رَجَالٌ لَا تُلْهِيمُهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (پ ۱۸ ع ۱۱) وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے (یعنی ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی سے) دیکھے تجارت اور خرید و فروخت جو اعلیٰ درجے کے دنیوی کام ہیں اُن میں بھی اُن حضرات کا ذکر جاری رہتا ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی سے کچھ تول کر یا ماپ کر لیتے ہیں یا کسی کو تول کر یا ماپ کر دیتے ہیں تو اُن کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد رہتا ہے کہ فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۚ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَىٰ

النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۖ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

(پ ۳۰ ع ۸) کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں، پورا لیں اور جب انہیں ماپ تول کر دیں کم کر دیں، اور وہ خدا کو یاد کر کے خوف سے کانپ جاتے ہیں اور ماپ تول درست رکھتے ہیں کسی کو دھوکہ دیکر نقصان نہیں پہنچاتے۔ نیز مردانِ حق کے پیش نظر ہر وقت یہ ارشادِ حق رہتا ہے کہ فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (پ ۲۲ ع ۱۵۶) اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج (یعنی اس کے فضل و احسان کے حاجت مند ہو) اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراپا۔ اس آیتِ مبارکہ کے مضمون کو یاد کر کے ہر آن خود کو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے محتاج یقین کرتے ہیں، وہ تجارت اور کاروبار پر ہی اعتماد کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہو جاتے۔ اُن کو جس چیز کی احتیاج ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہماری حاجت روائی فرمانے والا ہے وہی محتاجِ الیہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی اُن کے پیش نظر رہتا ہے: لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (پ ۲۷ ع ۷) اور یہ کہ آدمی نہ پائے گا مگر اپنی کوشش۔ اس لئے وہ محنتِ مزدوری اور تجارت وغیرہ امور میں سعی کرتے ہیں اور اس سعی میں أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ کا تصور بھی مستحضر رہتا ہے پھر اگر مقصود حاصل ہو گیا تو ان کو اس حاجت روائی میں بڑی خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارے مالک نے ہم پر یہ فضل اور مہربانی کی کہ ہماری سعی بیکار نہ گئی۔ اس فضل کی اتنی خوشی اُن کو ہوتی ہے کہ اُس چیز کے یارو پے کے ملنے سے نہیں ہوتی جو خرید و فروخت یا دیگر کسی کاروبار میں

مقصود ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت سے مفہوم ظاہر ہوتا ہے : قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ
وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (پ ۱۱ ع ۱۱)
تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی
کریں (ایمان والوں کو اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہونا چاہیے) وہ
بہتر ہے اُس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (کنز الایمان) دیکھئے یہ ذکر کس قدر
وسیع اور مؤثر ہے کہ ابتدائے احتیاج سے حاجت روائی تک جاری رہا اور
آخر میں فضل الہی کا اس درجہ ممنون بنایا کہ اعلیٰ درجہ کے تقرب کا باعث
ہے اور ادھر ظاہری سعی سے حاجت روائی بھی ہوئی اور ہم خُرا و ہم ثواب کا
مضمون صادق آگیا۔ ممکن تھا کہ غفلت کی حالت میں بھی سعی سے کام نکل
آتا مگر وہ مرتبہ جو آیۃ مبارکہ ”فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ“ (پ ۲۶ ع ۲) تم میری
یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا“ سے ہوتا ہے کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے
دیکھئے اہل اللہ یوں ترقیاں کرتے ہیں ادھر دُنیا بھی حاصل ہوئی اور ادھر
ترقی مدارج ایمانی و روحانی و تقرب خداوندی بھی ہوئی گئی۔ دنیا و آخرت
دونوں میں کامیابی پاگئے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے : مَنْ كَانَ يَرْيِدُ حَرْتَهُ
الْآخِرَةَ نَزَدْنَاهُ فِي حَرَّتِهِ وَمَنْ كَانَ يَرْيِدُ حَرْتَهُ الدُّنْيَا نَزَدْنَاهُ
مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (پ ۲۵ ع ۴) جو آخرت کی کھیتی
چاہے (جس کو اپنے اعمال سے نفع آخرت مقصود ہو) ہم اس کے لئے اس کی
کھیتی بڑھائیں (اس کو نیکیوں کی توفیق دیں اور اس کے لئے خیرات و طاعات
کی راہیں سہل کر کے اور اس کی نیکیوں کا ثواب بڑھا کر) اور جو دنیا کی کھیتی
چاہے (جس کا عمل محض دُنیا حاصل کرنے کے لئے ہو اور وہ آخرت پر ایمان

نہ رکھتا ہو۔ (تفسیر مدارک) ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے (دُنیا میں جتنا اس کے لئے مقرر کیا ہے) اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔“ کیونکہ اس نے آخرت کے لئے عمل کیا ہی نہیں۔ (خزائن العرفان)

جب صادق الایمان حضرات کو روزی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ“۔ (پ ۲۰ ع ۱۳) تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو۔“ مگر یہ طلب اکثر اسی طریقہ سے ہوتی ہے جس کا حال ابھی مذکور ہوا وہ جانتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی روزی دینے والا نہیں۔ بہ سبب مصلحت کسی کو کم دیتا ہے کسی کو زیادہ کما قال اللہ تعالیٰ: ”اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ“۔ (پ ۱۳ ع ۹) اللہ جس کے لئے چاہے رزق کشادہ اور جس کے لئے چاہے رزق تنگ کرتا ہے۔“ غرض کہ ہر حالت میں خواہ افلاس ہو یا تو نگرہی وہ اللہ تعالیٰ ہی کو یاد کرتے ہیں۔ کسی ذریعہ سے اگر قدرے قلیل کچھ مل گیا تو اللہ کی رزاقیت ان کے پیش نظر ہو جاتی ہے۔ کما قال اللہ عز وجل: ”وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا“۔ (پ ۱۲ ع ۱) اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا جاندار نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔“ اس ذریعے کو رازق حقیقی نہیں سمجھ لیتے۔ بلکہ محض ذریعہ اور وسیلہ ہی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ جس اندازہ کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہے وہ ہمیں اس ذریعہ سے مل گیا اور اگر ضرورت سے زیادہ مل گیا تو یہ خیال کرتے ہیں کہ: ”إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ“۔ (پ ۳ ع ۱۲) بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے۔“ پھر اگر مال اُن کے پاس ضرورت سے زیادہ جمع ہو گیا تو خدا کو یاد کر کے بندگانِ خدا کا حصہ

اُس میں سے علیحدہ کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ - نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو“

بطیب خاطر زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ اپنے والدین، رشتہ داروں، اعزہ و اقارب اور ان سب کے حقوق ادا کرنے میں مَجل نہیں کرتے جن کے حقوق کی ادائیگی کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان کو حق تعالیٰ کا فرمان یاد آتا ہے کہ فرمایا: ”وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاعِدِ بِالْجُنُبِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۚ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا“ (پ ۳۷۵) اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ (نہ جاندار کو نہ بے جان کو نہ اس کی ربوبیت میں نہ اس کی عبادت میں) اور ماں باپ سے بھلائی کرو (ادب و تعظیم کے ساتھ) اور ان کی خدمت میں مستعد رہنا اور ان پر خرچ کرنے میں کمی نہ کرو۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی ناک خاک آلود ہو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کس کی یا رسول اللہ؟ فرمایا: جس نے بوڑھے ماں باپ پائے یا ان میں سے ایک کو پایا اور جنتی نہ ہو گیا۔ اور حدیث شریف میں ہے رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے والوں کی عمر دراز اور رزق وسیع ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیموں کی سرپرستی کرنے والا ایسے قریب ہوں گے جیسے انگشت شہادت اور

بیچ کی انگلی - (بخاری شریف) حدیث - سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - بیوہ اور مسکین کی امداد و خبر گیری کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے مثل ہے اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے (سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) جبریل مجھے ہمیشہ ہمسایوں کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید کرتے رہے اس حد تک کہ گمان ہوتا تھا کہ ان کو وارث قرار دیں - (بخاری و مسلم) اور کروٹ کے ساتھی (یعنی بیوی یا جو صحبت میں رہے یا رفیق سفر ہو یا ساتھ پڑھے یا مجلس و مسجد میں برابر بیٹھے) اور راہ گیر (اور مسافر و مہمان) حدیث - جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھے اُسے چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے (بخاری و مسلم) اور اپنی باندی غلام سے (کہ انہیں ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اور سخت کلامی نہ کرو اور کھانا کپڑا بقدر ضرورت دو) - حدیث - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - جنت میں بدخلق داخل نہ ہوگا (ترمذی) بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترنے والا، بڑائی مارنے والا (متکبر خود میں جو رشتہ داروں اور ہمسایوں کو ذلیل سمجھے) جو آپ بخل کریں اور اوروں سے بخل کے لئے کہیں (بخل یہ ہے کہ خود کھائے دوسرے کو نہ دے، شح یہ ہے کہ نہ کھائے نہ کھلائے، سخا یہ ہے کہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے، جود یہ ہے کہ آپ نہ کھائے دوسرے کو کھلائے) اور اللہ نے جو انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اُسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے - یہ اہل اللہ مستحقین کی مالی مدد محض حصولِ رضائے الہی کی نیت سے کرتے ہیں - نام و نمود یا احسان جتانے کے لئے نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان کے پیش نظر رہتا ہے : **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ**

اَمْنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذَى كَالَّذِي يُفِيقُ مَالَهُ رِثَاءَ
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَاِبِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُفْضِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَشْدِيْدًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍ يَّرْبُوْنَ اَصَابَهَا وَاِبِلٌ فَانْتِ اُكُلَهَا ضَعْفَيْنِ ؕ فَاِنْ لَّمْ
يُصِبْهَا وَاِبِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (پ ۴۳)۔

اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کرو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر
(یعنی جس طرح منافق کو رضائے الہی مقصود نہیں ہوتی۔ وہ اپنا مال ریاکار
کے لئے خرچ کر کے ضائع کر دیتا ہے اس طرح تم احسان جتا کر اور ایذا دیکر
اپنے صدقات کا اجر ضائع نہ کرو) اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاؤ
کے لئے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت
ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس
نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا (یہ منافق ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح
پتھر پر مٹی، لیکن بارش سے وہ سب دُور ہو جاتی ہے خالی پتھر رہ جاتا ہے۔ یہی
حال منافق کے عمل کا ہے کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ عمل ہے اور روز
قیامت وہ تمام عمل باطل ہوں گے کیونکہ رضائے الہی کے لئے نہ تھے)۔ اپنی
کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔ اور اُن
کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جماع
کو (راہِ خدا میں خرچ کرنے پر) اُس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو اُس پر زور کا

پانی پڑا تو دونے میوے لایا پھر اگر زور کا میٹھا اُسے نہ پہنچے تو اوس کا فی ہے۔
 (یہ مومن مخلص کے اعمال کی ایک مثال ہے کہ جس طرح بلند خطہ کی بہترین
 کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ۔ ایسے ہی باخلاص
 مومن کا صدقہ اور انفاق خواہ کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتا ہے) اور
 اللہ ہمارے کام دیکھ رہا ہے۔“ اور تمہاری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ (خزان
 العرفان) جب نماز کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ انہیں یاد آگیا کہ اس وقت کی
 نماز اس نے فرض کی ہے اور فوراً پڑھ لی۔ اور ماہ رمضان کا مہینہ آیا تو فوراً
 خدا یاد آگیا کہ اُس نے ”فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔“ (پ ۷ ع ۷)
 تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے“ فرما کر ہم پر ماہ
 رمضان المبارک کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی ادائیگی میں مشغول
 ہو گئے اور جب حج کا موسم آیا خدا یاد آگیا کہ اس نے ”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ
 حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ الْيَسْرَ سَبِيْلًا ط (پ ۷ ع ۱) اور اللہ کے لئے
 لوگوں پر اُس گھر کا حج کرنا ہے جو اُس تک چل سکے“ فرما کر ہم پر حج فرض کیا
 ہے اور صاحب استطاعت ہیں تو حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہو گئے۔ غرض کہ
 ہر وقت اور ہر حالت سے متعلق قرآن و حدیث میں احکام وارد ہیں۔ اُن
 مواقع میں خدا اُن کو یاد آجاتا ہے اور ان احکام کی ادائیگی بصدق دل کیا
 کرتے ہیں۔ جب کوئی کام ان کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے تو اُن کو فوراً خیال
 آجاتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ کام کیا کیونکہ ہمیشہ اُنکے پیش نظر
 ہے کہ کُل کاموں کا مدار اُسی پر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”اَلَا اِلٰى اللّٰهِ تَصِيْرُ
 الْاُمُوْر“ (پ ۷ ع ۲۵) سُنئے ہو؟ سب کام اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں۔“

وقوله تعالى: وَالَّذِي يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهُ (پ ۱۰ ع ۱۲) اور اسی کی طرف سب
 کاموں کی رجوع ہے۔ یعنی ہر کام کا دار و مدار آخر کار اُسی خدا پر جا کر ٹھہرتا ہے۔
 یعنی جتنے ذرائع و وسائل اور اسباب ہیں بمنزلہ آلات ہیں۔ صل کام کرنے والا
 خدا تعالیٰ ہی ہے وہ مختار ہے جو چاہے کرے۔ جیسا کہ فرمایا: "يَفْعَلُ اللَّهُ
 مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ" یعنی کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے
 جو ارادہ کرتا ہے۔ "کسی قاعدے وغیرہ سے وہ ایسا مجبور نہیں کہ اُس کے
 خلاف وہ کرنے سکے۔ اور اگر کوئی کام اُن کی مرضی کے مطابق نہ ہو اور اُن کو اُس کی
 ضرورت ہو تو وہ خدا کو پکارتے ہیں اور اپنی عرض حاجت کرتے ہیں جس کا
 اُنہیں حکم ہے۔ "أَدْعُوْنِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" (پ ۲۳ ع ۱۱) مجھ سے دعا کرو
 میں قبول کروں گا۔ پھر اگر حاجت روائی میں دیر ہوئی تو صبر سے کام لیکر
 نماز پڑھنے لگتے ہیں جو خاص قسم کی عبادت اور اظہارِ عبادیت ہے بمقتضائے
 قوله تعالى: "وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ" (پ ۵ ع ۲) صبر اور نماز
 سے مدد چاہو۔ اگر اس کام سے مایوس ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے اس
 ارشاد کو یاد کر لیتے ہیں: "وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ
 الْإِنْسَانُ عَجُولًا" (پ ۱۵ ع ۲) اور آدمی بُرائی کی دعا کرتا ہے (اپنے لئے اُو
 گھر والوں کے لئے، اپنے مال و اولاد کے لئے) جیسے بھلائی مانگتا اور آدمی بُرا
 جلد باز ہے۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کام ہمارے حق میں مُضر تھا۔ پھر خدا تعالیٰ
 کا شکر سجالاتے ہیں کہ صرف اپنے فضل و کرم سے ہمیں اُن آفتوں سے بچایا جو
 اُس کام سے متعلق تھیں۔ جب اُن پر کوئی مصیبت آ جاتی ہے تو کہتے ہیں:
 "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" (پ ۲ ع ۳) ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی

کی طرف پھرتا ہے۔“ اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مُصِیْبَتِ اللہ کے حکم سے آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ ط (پ ۱۶۷) کوئی مُصِیْبَت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے۔“ مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بھی کسی قدر لگاؤ ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ”وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝ (پ ۵۶۲۵) اور تمہیں جو مُصِیْبَت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف کرتا ہے۔“ اگر کسی سے ضرر پہنچ جائے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ سوائے خُدا تعالیٰ کے کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جس سے نقصان پہنچا یا نفع پہنچا یہ ایک ذریعہ ہی ہے کہ خُدا تعالیٰ نے اس ذریعہ سے نفع یا نقصان پہنچایا ہے

گرچہ تیرا زکماں ہے گزرد از کما نذر میند اہل خرد

اگرچہ تیرا کماں سے گزر کر لگا ہے مگر اہل بصیرت دانشمند ہی دیکھتا ہے کہ کما نذر کون ہے جس نے کماں سے تیر چھوڑا اور یہ خیال کر کے کہ آخر ہم بھی خُدا کے قُصُود اور معافی کے طلبکار ہیں جس سے نقصان پہنچا اُس کو معاف کر دیتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ”وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ (پ ۹۷۱۸) اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے۔“ اگر کوئی خطرناک حالت پیش آگئی تو خُدا کو اپنا وکیل کر کے کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے۔ کما قال اللہ عزوجل: ”الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ (پ ۹۷۲) وہ جن

سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو انکا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کار ساز ہے۔ (پ ۹۷ ع ۹)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اور ان کے تابعین سلف صالحین علیہم الرحمۃ جب جہاد کے میدان میں ہوتے تو کافروں کو قتل کرتے وقت خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کا مراقبہ ہوتا تھا: ”قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَتُخْزِيهِمْ“ (پ ۸۷ ع ۱۰) تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور اور انہیں رسوا کرے گا۔ اس وقت ان کی یہ حالت رہتی تھی کہ گویا عذاب کے فرشتے ہیں جن کو سوائے امتثال امر الہی کے کوئی ذاتی غرض نہیں۔ نہ محبت قرابت جنگ سے مانع نہ مخالفت مذہبی اس کا باعث۔ تلوار کا جو وار کرتے ہیں اُس میں بھی یہی خیال کہ خدا تعالیٰ کا عذاب آتا رہے ہیں اور اپنے اوپر جو وار پڑتا اُس میں یہ تصور کہ رحمت الہی جوش پر ہے اور پیہم مثل بارانِ نزول کر رہی ہے۔ زبانِ حال پر گویا یہ شعر جاری ہے نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغ سر دوتاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی گویا دیکھ رہے ہیں کہ دشمنوں کی تلواروں کے سایہ تلے جنت ہے۔ جیسا کہ مکرارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”الجنة تحت ظلال السيوف۔ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔“ اور اسی انتظار میں ہیں کہ اگر پیامِ اجل آجائے یعنی تلوار یا تیر کا کوئی کاری زخم لگے تو نہایت خوشی سے لبیک کہتے ہوئے اپنے محبوب کے پاس اُن زندوں کی محفل میں پہنچ جائیں جن کو سعادتِ ابدی حاصل ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”وَلَا تَحْزَنُوا الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ

بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (پ ۸۷ ع ۸) اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اُس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔

ہر بڑھتے قدم کے ساتھ یہ خیال بندھا ہے کہ اپنے محبوب کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں اور اُدھر سے بھی یہ مردہ سنایا جا رہا ہے کہ ”وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ“ اُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ”فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ“ (پ ۱۲ ع ۱۲) اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت لے ہی گئے وہی مقرب بارگاہ ہیں جن کے باغوں میں ”پھر جب کافروں کے لاشوں کو دیکھا تو یہ خیال بھی نہیں کہ ہم نے کچھ کیا بلکہ صاف کہتے ہیں کہ اللہ نے اُن کو قتل کیا ہم نے نہیں کیا۔ کما قال اللہ عزّ و شانہ: ”فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ“ (پ ۱۶ ع ۹) تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔“

ہر کام میں وہ اپنی مشیت اور اختیار کو خدا تعالیٰ کی مشیت اور اختیار کے آگے کا عدم سمجھتے ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ“ (پ ۲۹ ع ۲۰) اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔“ کیونکہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کی مشیت سے ہوتا ہے یعنی تمہاری مشیت وہی ہوگی جو اللہ کی مشیت ہو۔ اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے: ”مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ“ (پ ۲۰ ع ۱۰) ان کا کچھ اختیار نہیں۔“ اور جو کام ان سے وقوع میں آتا ہے سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُسے ہم میں پیدا کیا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے افعال و صفات کو ہمارے ذریعے تکمیل فرماتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ“ (پ ۲۳ ع ۷) اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔“

غرض کہ اہل ایمان کامل اللہ تعالیٰ کو مختلف طریقوں سے ہر حالت میں یاد کرتے رہتے ہیں جس سے ان کے دل میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”الْأَبَدِ كَرِ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ“ (پ ۱۳ ع ۱۰) اُن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔“ انہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ“ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ۔ واضح رہے کہ اس تقریر سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ”اہل اللہ“ ذکر لسانی نہیں کرتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ باوجود ذکر لسانی کی کثرت کے ہر کام میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور کوئی کام اُن کو یاد الہی سے مانع نہیں ہوتا۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ”اے خلیفہ رسول اللہ! میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کس بنا پر ہم سب پر سبقت لے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بن گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”پانچ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تم پر سبقت حاصل ہوئی۔ پہلی بات یہ کہ جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے دیکھا کہ دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں جن میں بہت سے آدمی آخرت کے طلبگار ہیں اور بہت سے دنیا کے طالب ہیں تو میں نے اللہ تعالیٰ کی طلب اختیار کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ میں نے دنیا کی کوئی لذت حاصل نہیں کی۔ مجھ کو جو بھی لذت حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کے ذکر ہی میں حاصل ہوتی ہے اور اللہ کے دین کی خدمت اور معرفت الہی سے

ایسی لذت حاصل ہوتی رہی کہ دنیا میں مشغول ہی نہ ہو سکا اور نہ ہی دنیا کی لذت کو حاصل کیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی سیر آب ہو کر کچھ پیا۔ معرفت کے جاتے رہنے سے ڈرتا رہا ہوں۔ (یعنی میں اس خوف سے تلذذاتِ دنیوی کی طرف کبھی متوجہ ہی نہیں ہوا کہ کہیں معرفتِ الہی میں غفلت نہ ہو جائے)، اور میں دنیا کو چھوڑ کر چلے جانے تک (اپنی وفات تک) اسی مقام پر قائم رہوں گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ جب ایسی دو باتیں میرے سامنے پیش آجائیں کہ ایک بات میں میرا ذاتی فائدہ اور اپنی رضا ہوتی اور دوسری بات میں اللہ کی رضا ثابت ہوتی تو میں اس بات کو اختیار کر لیتا جس میں اللہ کی رضایابی جاتی۔ پانچویں بات یہ ہے کہ میں نے حضور اکرم، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو نہایت اچھے طریقے سے نبھایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ عزت و حرمت پر اپنا سب کچھ قربان کرتا رہا یہاں تک کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وفات پائی۔ ”یہ سن کر حضرت علیؑ روئے لگے اور فرمایا: ”ابو بکر! یہ بات آپ کو مبارک ہو، پھر مبارک ہو“ (معالی الہم)۔

طالبانِ حق تین قسم کے ہیں

محبوبِ سبحانی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (دہلوی) قدسنا اللہ بآسراہ العزیز فرماتے ہیں: ”امیدوار (طالبِ حق) کی تین قسمیں ہیں (۱) سالک، (۲) واقف، (۳) راجح۔ سالک وہ ہے جو راہِ سلوک میں مسلسل چلتا رہے۔ واقف وہ ہے جس کو راہِ سلوک میں کوئی وقفہ پیش آجائے۔ اس پر حاضرین

نے پوچھا۔ ”کیا سالک کو بھی اس راہ میں وقفہ پیش آجاتا ہے؟“ فرمایا۔ ”ہاں اُس وقت جب سالک کو عبادت کرنے میں کوئی کمی یا لغزش ہو جائے جس سے عبادت کا ذوق و لطف ختم ہو جائے تو اس وقت سالک کے لئے بھی وقفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اگر سالک فوراً کوئی تدبیر کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لے تو اپنی اصلی حالت پر رہ سکتا ہے اور اگر خدا نخواستہ وہ اپنی موجودہ حالت پر ہی رہے تو پھر اس بات کا سخت خطرہ ہے کہ کہیں ”راجع“ نہ بن جائے۔“

اس کے بعد سالک سے جو سلوک کے راستہ پر چلتے ہوئے لغزشیں ہو جاتی ہیں اُن کو بیان فرمایا کہ وہ کُل سات ہیں: (۱) اعراض - (۲) حجاب - (۳) تفصل (۴) سلب مزید - (۵) سلب قدیم - (۶) تسلی - (۷) عداوت - پھر فرمایا۔

محَب و محبوب دو دوست ہیں جو باہم دگر ایک دوسرے کی محبت میں رہتے ہیں۔ اس حالت میں اگر محَب سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو محبوب کو ناپسند ہو تو محبوب اپنے محَب سے اعراض کرتا ہے یعنی اپنی توجہ اسکی طرف نہیں کرتا۔ اس لئے محَب کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوراً توبہ (رجوع) کر کے عذر خواہی کرے۔ اس کے نتیجے میں محبوب لازماً اس سے راضی ہو جائے گا۔

لیکن اگر محَب اپنی غلطی پر مُصر رہے اور معذرت نہ کرے تو یہ ”اعراض“ حجاب بن جاتا ہے یعنی محبوب اپنے اور محَب کے درمیان پردہ ڈال لیتا ہے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ محَب گریہ و زاری، آہ و بکا کے ساتھ توبہ کرے۔

اگر اس مرحلہ میں ذرا سی کوتاہی سے کام لیا گیا تو یہ حجاب ”تفصل“ یعنی جُدائی میں تبدیل ہو جائے گا یعنی یوں ہوتا ہے کہ محبوب اپنے محَب سے جُدا ہو جاتا ہے۔ اگر اس حالت پر بھی کوئی عذر خواہی نہ کرے تو پھر تفصل ”سلب مزید“ میں

تبدیل ہو جاتا ہے یعنی محب سے اور ادو وظائف اور عبادات وغیرہ کا ذوق اور
لطف چھین لیا جاتا ہے۔ اب بھی اگر محب اپنی ہٹ پر ڈٹا رہے اور عذر خواہی نہ کرے
تو سلب مزید ”سلب قدیم“ کی صورت اختیار کر لیتا ہے یعنی عبادت و طاعت
کی راحت اور ثواب جو پہلے حاصل تھا وہ چھین لیا جاتا ہے۔ اس حالت میں بھی
اگر توبہ و استغفار میں کوتاہی (اور غفلت) سے کام لیا گیا تو سلب قدیم ”تسلی“
میں مبتدل ہو جاتا ہے یعنی محبوب دل سے اپنے اس محب کی جدائی کا متمنی
اور خواہشمند ہو جاتا ہے۔ اگر اس حالت میں بھی توبہ و استغفار میں غفلت
سے کام لیا گیا تو تسلی ”عداوت“ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!“ (اخبار الاخیار)

اکابرین اولیاء اللہ کے جامع ارشادات

حجۃ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: ”یاد
رکھو کہ انسان کو کھیل کود اور لہو و لعب کے لئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس کا کام
عظیم اور اس کی ذمہ داری بہت بڑی اور اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے
کیونکہ ہر چند وہ (انسان) اذلی نہیں تاہم ابدی ضرور ہے اور اگرچہ اس کا جسم
خاکی اور سفلی ہے لیکن اس کی رُوح کی حقیقت بلاشبہ علوی اور ربانی ہے
اور اگرچہ اس کے خمیر میں بہائم، وحوش و طیور اور شیطانوں کے اوصاف کی
آمیزش موجود ہے لیکن (یہ شرف بھی اُسی کو حاصل ہے کہ) جب وہ مجاہدہ و
ریاضت کی بدولت ان آلائشوں کی ہنی اور ان آمیزشوں کی نفی کر دیتا ہے
تو پاک و صاف ہو کر حضور الہی اور قرب خداوندی کا سزاوار قرار پاتا ہے“

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پیر رُوحِ الامیں پیدا

تب تحت الثریٰ اور قعرِ مذلت سے نکل کر اوجِ ثریا اور اعلیٰ ترین مقام تک
رسائی حاصل کر لیتا ہے اور ہر بلندی و پستی اس کے لئے یکساں ہو جاتی ہے
اور اسی کے تصرف میں آجاتی ہے۔ اس کے قعرِ مذلت میں گرنے سے مراد یہ
ہے کہ وہ بہائم، وحوش اور شیاطین کی پستیوں میں جا گرے اور شہواتِ نفسانی
اور غضب و علائق میں گرفتار ہو جائے اور مقامِ اعلیٰ اس کا یہ ہے کہ فرشتوں کے
درجے تک رسائی حاصل کر لے اور شہوت و غضب کی غلامی سے نجات پا جائے
بلکہ چاہیے تو یہ کہ یہ دونوں چیزیں خود اس کی غلام ہو جائیں اور وہ ان کا بھرن
بن جائے کہ یہی وہ مرتبہ شاہی ہے جس تک رسائی اسے حضوریِ الہی کے
قابل بنا سکتی ہے اور یہی قابلیت فرشتوں کی صفتِ خاص اور انسانیت کے
درجہ کمال کی نشانی ہے اور جب اسے جمالِ خداوندی سے انس کی لذت حاصل
ہو جاتی ہے تو اس کے لئے اس جمال کے دیدار کے بغیر ایک لمحہ صبر کرنا بھی مشکل
ہو جاتا ہے اور یہ نظارہ جمالِ ربانی ہی اس کی جنت بن جاتا ہے اور وہ جنت
جو شہوتِ چشم، خواہشِ شکم اور طلبِ فرج پر مشتمل ہے اس کی نظروں میں
بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ چونکہ انسان کی آفرینش اور تخلیق ابتداء ہی سے
ناقص و خسیس فطرت پر استوار کی گئی ہے اس لئے اس کو اس درجہ ناقص
سے مرتبہ کمال تک پہنچانا مجاہدہ و معالجہ کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا جس طرح اس
کیمیاء کا حصول حد درجہ دشوار ہے جس سے پتیل اور تانبے کو صاف کر کے خالص
سونہ بنالیا کرتے ہیں اور اس کی شناخت ہر کسی کے بس کا روگ نہیں، اسی

طرح اس کیمیا کو پالینا بھی بیکر مشکل ہے جو خیر انسانی اور فطرت آدمی کو بہیمیت اور وحشی پن سے پاک کر کے اس درجہ نفیس بنادیتی ہے کہ وہ فرشتوں کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تاکہ سعادت ابدی اسے نصیب ہو سکے۔ (کیمیائے سعادت) ۷۵
 حُور و قصور و غلمان نہرِ نعيم جنت یہ کلمہ جہنم مشتاقِ یار ہیں ہم

سیدنا علی ہجویری داتا گنج بخش قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" ای ليعرفون ہم نے جن و انس کو اپنی معرفت ہی کے لئے پیدا کیا ہے مگر اکثر لوگ اس سے ناواقف اور رُگردان ہیں لیکن وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر دُنیاوی تاریکیوں سے محفوظ رکھا اور ان کے دلوں کو زندہ و تابندہ بنایا ان میں سے ایک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا: "وَجَعَلْنَاهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ" یعنی عمر اور ہم نے اس کے لئے نور مقرر کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے" یعنی عمر رضی اللہ عنہ اور اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں پر مہر لگائی اور دنیاوی تاریکیوں میں مبتلا کیا ان میں سے ایک ابو جہل لعین کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: "كَمِنَ مِثْلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا" یعنی ابو جہل۔ کون ہے اس کی مثل جو تاریکیوں میں ہے جو کبھی اس سے نکلتا ہی نہیں۔" یعنی ابو جہل لعنة اللہ علیہ۔ لہذا معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو اور اس کا باطن ماسوی اللہ سے خالی ہو۔ اور ہر ایک کی قدر و منزلت معرفت سے ہے اور جہے معرفت نہیں وہ بے قیمت ہے۔ (کشف المحجوب)

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے

ہیں۔ ”چونکہ ہوا و ہوس میں حلاوت و لذت ہے (اس لئے نفس کو مرغوب ہے) اور نفس کو جب ہوا و ہوس کا چسکہ لگ جاتا ہے تو پھر وہ ہر وقت اسکی طرف مائل رہتا ہے اور لذت یا ہوس کی کوشش کرتا ہے، ہوا و ہوس سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اُس کی مثال اُس پودے کی ہے جس کا گلا کانٹے دبا دیتے ہیں (اور پودا سُوکھ کر ختم ہو جاتا ہے) اور صوفی کے قلب صافی میں حُب صافی کی مہمانی سے حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حُب صافی کا رُوحی تعلق حضرت اُلوہیت سے ہے اور جو رُوح اپنے طرف میں جذبِ محبت کی خاصیت لیکر حضرت اُلوہیت کی طرف رجوع ہوتی ہے اس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے کہ نفس بھی اس کے پیچھے لگ جاتا ہے (مطیع ہو جاتا ہے اور) اُس کی اتباع کرنے لگتا ہے۔ اس وقت حضرت اُلوہیت کی محبت کی حلاوت (نفسانی) خواہشات کی لذت پر غالب آ جاتی ہے۔“ پھر خواہشات کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ (عوارف المعارف)

حضور غوث اعظم سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں: ”اس میں شک نہیں کہ تیرا نفس اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی ملک ہے لیکن شہوات و لذات دُنیا اور اسبابِ تمرد و تکبر اسے راہِ راست سے برگشتہ کئے ہوئے ہیں کیونکہ یہ چیزیں انسان کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں۔ پس اگر تُو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے نفس کی مخالفت اختیار کرے گا تو یہ تیری طرف سے جہاد ہوگا اور فلاح و بہبود کا ذریعہ۔ جہادِ نفس کے بعد اللہ تعالیٰ سے تیری دوستی اور عبودیت پایہ ثبوت کو پہنچے گی اور تجھے پاک و صاف اور خوشگوار نعمتیں عطا کی جائیں گی، تمام اشیائے کائنات تیرے تابع ہو جائیں گی۔“

گی اور تیری خدمت اور تعظیم کریں گی۔

یہ مسئلہ اصول ہے کہ جو شخص اللہ کا مطیع ہو جاتا ہے دنیا اُس کی مطیع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان (چیزوں) کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے“ نیز فرمایا: ”میں نے آسمانوں اور زمین سے کہا تم میری اطاعت و فرمانبرداری کرو طوعاً یا کرہاً تو یہ سُن کر اُنہوں نے کہا۔ اے خالق کائنات! ہم تیری اطاعت خوشی اور آمادگی سے قبول کرتے ہیں۔ پس کامل عبادیت ہو اے نفس اور سفلی خواہشات کی مخالفت سے حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات میں وارد ہے کہ نفس امارہ کی پیروی انسان کو صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیتی ہے حدیثِ قدسی میں وارد ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا گیا: ”خواہشاتِ نفس کی پیروی کبھی نہ کرو کیونکہ میری زمین میں اتباعِ نفس سے زیادہ فساد انگیز چیز اور کوئی نہیں“ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ جب انہوں نے خواب میں ربِّ العزت کو دیکھا تو عرض کی: ”یا اللہ تیرے پاس پہنچنے کا راستہ کونسا ہے؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اپنے نفس کی اطاعت چھوڑ دے اور میرے پاس آجا“ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ بعد ازاں میں نے سانپ کی کیچلی کی طرح اپنے نفس کو چھوڑ دیا۔ الغرض ہر حال میں اپنے نفس کی سفلی خواہشات سے احتراز ہی وجہِ نجات ہے۔ پس اگر تُو متقی اور پرہیزگار ہے تو مالِ حرام سے اور مخلوقات کے خوف و خدشہ سے اجتناب کر اور اپنی توقعات کو مخلوق سے وابستہ کرنے کے بجائے خالق سے وابستہ کر اور بطریقِ زکوٰۃ و صدقات وغیرہ مخلوق کے عطیات پر نظر نہ رکھ۔ اچھی طرح سمجھ لے کہ رزق و

روزی کے تمام اُمور فاعل کے فعل و تدبیر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور فاعل و مدبر اللہ تعالیٰ ہے، یہ اس ہمہ مخلوق کی طرف سے سعی و محنت اور جدوجہد کے اصول کو بھی ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے تاکہ تو مذہب جبریہ کے عقائد سے نجات پائے اور یہ بھی نہ کہ مخلوق کے افعال میں خدا کی قدرت اور اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں، بندہ ہی فعل و ارادہ کا مختار و مجاز ہے۔ اس عقیدہ سے تو کافر ہو جائے گا اور قدریہ میں جا شامل ہوگا بلکہ درست عقیدہ کا تعین کرتے ہوئے یہ کہہ کہ مخلوق کے افعال و اعمال مشیتِ خداوندی سے ہیں جن کی بجا آوری کے لئے حسب ارشاد لیس للانسان الاما سعی مخلوق کی طرف سے سعی و محنت لازمی ہے جیسا کہ ثواب و عذاب اور جزا و سزا کے متعلق قرآن و حدیث میں مثالیں وارد ہیں۔ پس احکامِ خداوندی سے تجاوز نہ کر کیونکہ اس کے احکام تمام مخلوقات پر طوعاً و کرہاً جاری و ساری ہیں — حکم الحاکمین کے ہوتے کسی امر میں خود حاکم نہ بن بیٹھ، تیرے حاکم کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر تیرے دل میں کوئی خیال اور وسوسہ گزرے یا الہام کی کیفیت پائی جائے تو اس کو قرآن و حدیث کے معیار پر پرکھ لے، اگر قرآن و حدیث میں اس کی حرمت و ممانعت موجود ہو، مثلاً وسوسہ زنا، سود، چوری، غضب، ظلم، عدوان، کذب و فریب اور دیگر اعمال فسق و فجور، تو ایسی باتوں کو اپنے قلب و دماغ سے دُور کر اور اُن پر ہرگز عمل پیرا نہ ہو، بلاشبہ ایسے وسوسے شیطان کی طرف سے ہو کرتے ہیں اور بڑی دلفریب صورتوں میں انسان کے سامنے آتے ہیں لیکن اگر وہ خیال و وسوسہ قرآن و حدیث کی رو سے جائز و مباح ہو اور اُس میں حرمت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے

تو پھر بلا تامل اس کی تعمیل کر لے کیونکہ اس میں گناہ کا خدشہ نہیں۔ مثلاً حلال چیزوں کا کھانا پینا۔ نکاح۔ عمدہ لباس۔ کسی مردِ صالح کی صحبت۔ حج بیت اللہ۔ بیوگان و یتامیٰ اور غرباء کی امداد اور فاقہ عامۃ کے دیگر کام، ایسے الہام پر دل سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے اور فطرت اس کی تائید و تصدیق کرتی ہے۔ افعالِ الہی اور اوامرِ الہی کی تعمیل کے لئے اللہ تعالیٰ خود ہی بندہ میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کی امداد و نصرت فرماتا ہے اور جب خالصۃً فعلِ حق باقی رہ گیا اور تجھ کو تائیدِ حق کا مقام حاصل ہو گیا تو پھر اگر تجھے کوئی فتنہ بھی پیش آئیگا تو تو اس کے شر سے محفوظ و بری رکھا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور اپنے فعل پر تیری گرفت نہیں فرمائے گا۔ بندے پر گرفتِ اُمورِ الہی میں دخل دینے کی وجہ سے کی جاتی ہے۔

اگر تو مقامِ ولایت کا خواہاں ہے تو نفس کی مخالفت کر اور اوامرِ حق کا پوری طرح متبج ہو جا۔ اوامرِ الہی کی پیروی دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب کیا جائے۔ لذاتِ نفسانی کی پیروی سے احتراز ہو، فرائض ادا کئے جائیں اور اپنے ظاہر و باطن کو گناہوں سے محفوظ رکھا جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جوا حکام، الہام یا القاء کے طور پر دل پر وارد ہوں ان کی اطاعت پورے احترام سے کی جائے اور خدا کے وقتاً فوقتاً مشوروں سے غفلت نہ برتی جائے۔ یہ امر باطن اُس مباح میں بھی پایا جاتا ہے جس کے متعلق شریعت میں کوئی حکم موجود نہیں ہے۔ اس طور پر کہ نہ تو وہ ممنوع ہے اور نہ حکم وجوب میں ہے اور اس پر بندہ کو اختیار دیا گیا ہے خواہ وہ اُسے تصرف و استعمال میں لائے یا نہ لائے اسی کا نام مباح ہے۔ پس ایک متقی اور باخدا شخص

کو چاہیے کہ وہ ہر ایسی چیز کے متعلق استخارہ کرے اور حکم الہی کے انتظار میں رہے جب حکم پائے تو اس کے مطابق عمل کرے۔ ایسی حالت میں بندے کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں گے۔ جن چیزوں کا حکم شریعت میں موجود ہے اُن کو متروع کی رُو سے اور جن چیزوں کے متعلق حکم شریعت میں موجود نہیں اُنہیں بندہ حاصل ہونے والے امر باطن کے تحت بجالائے گا۔ اس مقام پر بندہ ”اہل حقیقت“ میں سے ہو جائے گا اور اُس کا شمار اولیاء اللہ میں ہوگا۔ اور اگر تو حق الحق کی حالت میں ہے جو ذاتِ خداوندی میں فنا ہو جانے کی حالت ہے تو اسے خدا تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ سمجھ، یہ اُن ابدال کی حالت ہے جن کے دل عشق و محبت سے شکستہ ہیں وہ موحد ہیں، عارفین ہیں، صاحب علم و عقل ہیں، اُمراء کے بھی آقا، خلق کے پیشوا و نگہبان، نائبین حق اور خاصان و مُجَبَّانِ الہی ہیں۔ پس اس مقام پر امر کی پیروی یہ ہے کہ تُو نفسِ امارہ کا مخالف ہو جائے اور دُنیا و آخرت کی کسی چیز کی طرف تیری رغبت و توجہ نہ رہے اُس وقت تو بندہ مالک الملک ہوگا نہ کہ بندہ مُلک، تُو امرِ حق کا غلام ہوگا نہ کہ خواہش کا، تُو ظاہر و باطناً کُلّی طور پر اس طرح پُسرِ خدا ہوگا جس طرح دایہ کے ہاتھ میں شیر خوار بچہ اور طبیب کے رُوبرو بیہوش بیمار۔ پس اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی شناخت و پیروی کے علاوہ تُو دیگر تمام اُمور سے بیہوش و بے خبر ہوگا۔“ (فتوح الغیب) ۵

نہنگ و اژدہا و شیرِ نر مارا تو کیا مارا بڑے موزی کو مارا نفسِ امارہ کو گر مارا
نہ مارا نفس کو جو مَر کے خود اکسیر ہو جاتا اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

مَنْ لَهُ الْمَوْلَىٰ فَلَهُ الْكُلُّ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں :

”اللہ والو! یاد رکھو اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اپنی تمام خواہشات روحانی اور نفسانی دنیا سے اٹھا لیتے ہیں اور پھر آخرت کی خواہشات کو بھی ترک کر دیتے ہیں اور خالصۃً مولیٰ کریم کے ہو جاتے ہیں پھر یہ دور بھی ان پر آتا ہے کہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کس نے کس چیز کو ترک کر دیا اور دونوں جہانوں سے بے نیاز ہو کر اپنے حبیب حقیقی دوست کے ساتھ اس طرح ہو جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں کی مسرت رُوح کی خوشی اور بدن کی نفاست اسی میں ہوتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی نظر دنیا و آخرت کی جانب لوٹ کر نہیں آتی۔ خوب یاد رکھو کہ تمام کائنات سے دل کو فارغ کرنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ دل کو تمام جہان کے معاملات سے ہٹالو اور ہر وہ ارادہ جس کا تعلق کوئین کی کسی چیز سے وابستہ ہو اس ارادہ کو ترک کر دو، دونوں جہانوں کی جو چیز لذت و راحت دینے والی ہے اس سے دستبردار ہو جاؤ اور اپنے ارادہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو سچتہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کو کافی جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو دنیا کے معاملات میں مشغول نہ کیا جائے اور اسی طرح آخرت کی باتوں میں بھی مشغول ہونا چھوڑ دے۔ جو شخص دنیا کے ساتھ پوری طرح مشغول ہو جاتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ دنیا کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور آخرت کا تعلق مٹ جاتا ہے اور جو آخرت میں مشغول ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیتا ہے، یعنی اس کا مطلوب صرف آخرت ہوتی ہے اور جو شخص دنیا و عقبیٰ کو چھوڑ کر

مولیٰ کا ہو جانا ہے اس کو اللہ تعالیٰ مل جاتا ہے اور جس کو اللہ مل جاتا ہے،
دنیا و آخرت کے دونوں جہان اس کے خادم (غلام) بن جاتے ہیں۔“ (معالی
الہم) ۵ دل باکس نہ باختہ باد و جہاں نہ ساختہ

من بحضورِ تو رسمِ روز شمارِ ایں چنیں

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے
يَا مَنْ يَدُنِيَاہُ اشْتَغَلْ قَدْ غَرَّهٗ طُولُ الْاَمَلِ
اَوْ لَمْ يَزَلْ فِي غَفْلَةٍ حَتَّى دَفِنِي مِنْهُ الْاَجَلُ
اَلْمَوْتُ يَأْتِي بَغْتَةً وَالْقَبْرُ صُنْدُوقُ الْعَمَلِ

اے دُنیا میں مشغول و منہمک ہو جانے والے، اور حرص و آرز کی قید میں مغرور
و غافل ہو جانے والے، تیری غفلت کی بھی کوئی انتہا ہے؟ موت قریب ہے
اور تُو غفلت میں پڑا ہے!

یاد رکھ، موت اچانک آنے والی ہے۔ قبر میں تجھے جانا پڑے گا جس میں
نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔“

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی - وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اِمَامِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ سَیِّدِ
الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَوْلِیَآءِ
اٰمَّتِہٖ وَاَمَّتِہٖ اٰجَمِیْنَ ط

۱۰۔ الفقیر الی الرحمن ابو الحسن حکیم محمد رمضان علی قریشی قادری غفرلہ

حرفِ آخر: مؤرخہ ۲۰ مارچ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۹۶ء بروز بُدھ۔

ذکر و فکر

حصہ دوم

تفکر



مرتب:

فقیر ابوالحسن قادری غفرلہ، سمجھورو۔ سندھ
طابع و ناشر: حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

۶۸-۶۷، اوور سیز ہاؤسنگ سوسائٹی،

بلاک ۸/۷ - کراچی

پیش لفظ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا اور اسے ”عقل“ عطا فرما کر
 جملہ مخلوقات سے ممتاز فرمادیا۔ یہ وہ نعمت عظیم ہے جو نہ ملائکہ کو ملی نہ جنات
 نہ دیگر حیوانات کو عنایت ہوئی۔ یہ شرف صرف انسان ہی کو حاصل ہوا تاکہ وہ
 حواس کے ذریعہ اشیائے کائنات کو دیکھ کر اس کے خالق کو پہچانے۔ اللہ تعالیٰ
 نے انسان کو حواس ظاہری و باطنی عطا کئے اور انسان کی فطرت میں تلاش
 و جستجو کا مادہ ودیعت فرمایا تاکہ بہ اقتضائے فطرت جب وہ آسمان و زمین
 کی مخلوقات کو دیکھے تو فطری تقاضے کے تحت اس کے دل و دماغ میں ان
 اشیاء کے متعلق تلاش و جستجو پیدا ہو کہ یہ تمام اشیاء خود بخود پیدا ہو گئی ہیں
 یا ان کا کوئی بنانے والا پیدا کرنے والا ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور عقل سے
 کام لیکر سوچے کہ کیا کوئی چیز خود بخود وجود میں آسکتی ہے؟ اور جب وہ اپنے
 وجود پر نگاہ ڈالے تو اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ خود کیا ہے؟ کون
 ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور کیوں آیا ہے؟ اور پھر مرنے کے بعد کہاں چلا
 جاتا ہے؟ آیا وہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے؟ اپنے جسم کا وہ خود موجد ہے؟ ہاتھ
 پاؤں، سر، چہرہ، ناک، کان، منہ، زبان اور اندرونی اعضاء، دماغ، پھیپھڑے

دل، جگر، معدہ، انتریاں، اعضائے تناسل، اعصاب، عضلات، شریانیں، وریدیں اور جسم کا گوشت پوست، ہڈیاں وغیرہ، اعضائے ظاہری و اندرونی اس نے خود بنائے ہیں؟ اور کیا اپنے جسم کو خود بنا کر جسم کے اندرونی و بیرونی اعضا خود پیدا کر کے اُن میں منظم ترتیب دے کر ان کے افعال و خواص اس نے خود پیدا کئے ہیں؟ کانوں کو سننے کی، ناک کو سونگھنے کی، زبان کو بولنے اور ذائقہ چکھنے کی، ہاتھوں کو کام کاج کرنے کی، پاؤں کو چلنے کی قوت اس نے خود بخشی ہے؟ دماغ کو سوچنے، دل کو سمجھنے، معدہ و جگر کو خوراک ہضم کرنے، پھیپھڑوں کو سانس لینے، خون بنانے اور دل کے ذریعہ جسم کے ہر حصے میں پہنچانے کے سب کام وہ خود اپنی طاقت اور مرضی سے انجام دے رہا ہے؟ جب وہ یہ سب کچھ سوچتا ہے تو عقل سلیم یہ فتویٰ دیتی ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا۔ اپنی قدرت اور اپنی مرضی سے اپنے ظاہری و باطنی اجزائے اعضاء نہیں بنا سکتا۔ اپنے ظاہری و باطنی حواس اور صفات کا وہ خود خالق نہیں، اپنی شکل و صورت بھی وہ خود بنانے والا نہیں، حتیٰ کہ جب کہ وہ اب مکمل طور پر بن چکا ہے، سمجھ، سوچ اور مختلف قویٰ کا حامل ہے، اپنی مرضی کے مطابق اپنے جسم کے اعضا میں، شکل و صورت میں اور رنگ ڈھنگ میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کر سکتا بلکہ یہ سب کچھ کرنے والا کوئی دوسرا ہے، جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ کائناتِ عالم کی تمام چیزوں کو مختلف کاموں پر لگایا۔ یہ احسان ہے اُس قادر و کریم کا جو خالقِ کُل، حاکمِ مطلق اور فعالِ مایرید ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اے خُدا احسانِ تو اندر شمار

مے نتانم بازبانِ صد ہزار

جان و گوش و چشم و ہوش و پاؤ دست جملہ از درہائے احسانت پُرسست
(مثنوی معنوی)

یا اللہ! تیرے احسانات بے شمار ہیں، اتنے کہ ہزار زبانیں ہوں تو بھی اُنکو شمار نہیں کر سکتا۔ میری جان، میرے کان، آنکھیں، ہوش و حواس اور ہاتھ پاؤں یہ سب کے سب تیرے احسان کے موتیوں سے بھرا پُور ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ - الحدیث (متفق علیہ) ہر بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی انسان کا ہر بچہ بہ حالتِ ایمان پیدا ہوتا ہے۔ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے تمام رُوحوں سے اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا۔ سب نے ”بلی“ کہہ کر اقرار کیا۔ اس اقرار پر قائم رہتے ہوئے ہر انسان اس دُنیا میں آتا ہے، یہ اقرار و ایمان ہر انسان کا فطری اور پیدائشی دین ہے) پھر اس کے ماں باپ اُسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ یعنی ہر بچہ ہوش سنبھالنے تک دینِ فطرت، توحید و ایمان پر قائم رہتا ہے۔ ہوش سنبھالنے پر جیسا اپنے ماں باپ اور ساتھیوں کو دیکھتا ہے ویسا بن جاتا ہے انسان اگر اپنے والدین اور دوسرے لوگوں کے گمراہ ماحول میں پرورش نہ پائے تو وہ فطرتاً جہان کے آثار و شواہد کو دیکھ کر توحید کا قائل ہو جائے (مرآتِ شرح مشکوٰۃ سلیم الفطرت صاحب عقل و ہوش انسان کے لئے خالقِ کائنات کے وجود اور اس کی توحید و یکتائی کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے تمام مخلوق، سب اشیاء زبانِ حال سے اپنے صانع کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن مجید میں آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرنے

کی تعلیم دی گئی ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اُن کا پیدا کرنے والا موجد ہے اور یہ کہ وہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہے۔ کامل علم و قدرت والا حکمت والا ہے۔ اس نے اپنے علم و قدرت اور حکیمانہ انداز سے ایسی عظیم چیزیں پیدا کیں اور اس طو سے بنائیں کہ ان میں کوئی خامی یا کچھ نقص واقع نہیں۔ انسان غور و فکر کرنے کے بعد اس یقین تک پہنچ جائے کہ ان کے خالق نے یہ اتنا بڑا کارخانہ اور اس کی کوئی چیز فضول و بے کار نہیں بنائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْغَيْبِ ۝ (پ ۲۷، ۲۸) اور ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہیں بنائے۔“ کہ ان سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ اس میں ہماری حکمتیں ہیں، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ہمارے بندے ان سے ہماری قدرت و حکمت پر استدلال کریں اور ہمارے اوصاف و کمال کی معرفت ہو (خزائن العرفان)

واضح رہے کہ مخلوقات میں سے انسان انہی اشیاء میں غور و فکر کر سکتا ہے جو سب کو آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں مثلاً آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، رعد، برق، زلزلہ، آندھیاں، طوفان، زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، چٹنے، آدمی، جانور، چوپائے، درند، پرند، نباتات، معدنیات وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خلافت و صنعت گری کے وہ نمونے ہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی شناخت اس کی عجیب و غریب صنعتوں اور مظاہر سے کرے جو چاروں طرف نظر آتے ہیں لیکن وہ مخلوق جس سے ہم واقف تو ہیں لیکن دکھائی نہیں دیتی مثلاً ملائکہ، عرش و کرسی اور جنات وغیرہ ان میں تفکر سخت دشوار ہے۔ البتہ وہ صاحبان کشف جن کی روحانی پرواز بلند ہے اور

ان حضرات پر اسرارِ باطنی منکشف ہوتے ہیں وہ حسب مراتب ان میں تفکر کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مخلوق بھی ہے جس سے انسان بالکل بے خبر ہے، اس میں تو تفکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ“ (پ ۲۳ ع ۲۶) پاکی ہے اُسے جس نے سب جوڑے بنائے (اصناف و اقسام) ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے (اولادِ ذکور و اناث) اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں۔“ بحرِ بر میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایسی عجیب و غریب مخلوق بھی ہے جن سے کوئی انسان واقف نہیں، تو جن اشیاء کا علم ہی نہیں، ان میں غور و فکر کیونکر ممکن ہے؟ بس ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ دکھائی دینے والی اشیاء میں تفکر کریں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقیت اور اسکی عظمت و قدرت، حکمت و ربوبیت کا مشاہدہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں تفکر و کلام ضلالِ تام ہے

حق تعالیٰ کے بارے میں تفکر، ذاتِ حق اور اس کی صفات میں تفکر اعلیٰ ہے مگر چونکہ لوگوں میں اس کی طاقت نہیں، وہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے، ان کی عقلیں وہاں حکمت پہنچ ہی نہیں سکتیں اور یہ امر انسان کی استطاعت سے باہر ہے، اس لئے شریعت نے اس تفکر کی ممانعت کر دی۔ ذاتِ حق اور

صفاتِ حق میں تفکر سے منع کر دیا اور ہدایت کر دی کہ ذات و صفاتِ الہی میں تفکر نہ کرو کہ ”کیسَ کِمِثْلِهِ شَیْءٌ“ (پ ۲۵ ع ۳) اُس جیسا کوئی نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”بعض لوگوں نے تفکر کرتے ہوئے اللہ کی ذات میں تفکر شروع کر دیا، ان کو مخاطب کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُس کی ذات میں تفکر نہ کرو، اس کی مخلوق میں تفکر نہ کرو“ تفکروا فی خلق اللہ ولا تفکروا فی اللہ۔ اس کی ذات میں تم کیا تفکر کرو گے؟ اس کی تم میں طاقت ہی کہاں ہے؟ اور اس کی قدر پہچاننا تمہارے لئے ممکن ہی کب ہے؟

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں سہ

جہاں متفق بر الہیتش فروماندہ درکنہ ماہیتش

بشر اورائے جلالش نیافت بصیر منتہائے جمالش نیافت

نہ براوج ذاتش پردِ مُرغِ وہم نہ در ذیل و صفش رسد دست فہم

اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت پر سارا جہاں متفق ہے لیکن اس کی کُنہ ماہیت جان لینے میں عاجز ہے۔ انسان اس کے تجلیاتِ جلال کے سوا کچھ پانہ سکا۔

آنکھ اس کے منتہائے جمال تک نہ پہنچ سکی۔ اس کی ذات کی بلندی تک مُرغِ وہم کی پرواز نہیں پہنچتی۔ نہ اس کے دامن و صف میں فہم کو رسائی ہو سکتی ہے۔

حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدسنا اللہ بامرارہ العزیز نے فرمایا ہم نہ اس کی ذات سے بحث کر سکتے ہیں نہ اس کی کسی صفت سے۔ حدیث میں ارشاد

فرمایا: ”تفکروا فی الاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتہدکوا۔ اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔“ اس

کی صفات میں فکر اس کی ذات ہی میں فکر ہے۔ ادراک کُنہ صفات بے ادراک کُنہ ذات ممکن نہیں کہ اس کی صفات کو کسی موطن میں ذات سے جُدا فی محال اسی لئے انہیں ”لاعین ولا غیر“ کہا جاتا ہے اور کُنہ ذات کا ادراک مخلوق کو محال کہ وہ بکُلّ شے محیط ہے کوئی اسے محیط نہیں ہو سکتا۔ لاجرم کُنہ صفات کا بھی ادراک محال۔ (الملفوظ حصّہ دوم ص ۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ”تفکروا فی کلّ شے ولا تفکروا فی ذات اللہ فان بین السماء السابعة الی کرسیّہ سبعة آلاف نور وهو فوق ذالک (بیہقی فی کتاب الاسماء والصفات) ہر شے میں فکر کرو اور اللہ کی ذات میں فکر نہ کرو کہ بلاشبہ ساتویں آسمان سے اس کی کرسی تک سات ہزار نور (نوری فاصلے) ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے بھی اوپر ہے۔“ ذاتِ خدا محدود اور عقلِ انسانی محدود ہے، ”لامحدود“ ”محدود“ میں کیونکر سما سکتا ہے؟ بحرِ ناپید اکنار ظرفِ محدود میں کیونکر مقید ہو سکتا ہے؟ عارفِ رومی فرماتے ہیں ۷

زانکہ نامحدود ناید در حدود بحر مطلق چوں در آید در قیود

یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذاتِ خدا میں غور و فکر کرنے سے منع فرمایا۔ چونکہ عقلِ انسانی محدود ہے، اس لئے ”اللہ“ ذاتِ لامحدود کا ادراک محال و ناممکن ہے۔ اسی لئے فرمایا: تفکروا فی الآء اللہ۔ اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو کہ معرفتِ خدا کے لئے زمین و آسمان میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔ ان میں غور و فکر کرو اور اللہ کو پہچانو۔

حضرت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ”ایک

دن (صبح کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے اور روئے تھے (جب نماز سے فارغ ہوئے) تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ جبکہ آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ اللہ نے معاف کر دیئے ہیں۔ فرمایا: ”بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ آیت مجھ پر نازل ہو اور میں نہ روں لَقَدْ أَنْزَلْتُ عَلَى اللَّيْلِ آيَةً ۚ وَبِئْسَ الْفِرْدَوْسُ ۚ ثُمَّ رَوَيْتُ لَكَ ۚ“۔ تحقیق آج رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے کہ اس کے لئے ہلاکت ہے جو اسے پڑھے اور پھر اس پر غور (فکر) نہ کرے، ہلاکت ہو اس کے لئے پھر ہلاکت ہو اس کے لئے اور حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ“ (پ ۴۷) بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلنے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے، اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اُتار کر مُردہ زمین کو اس سے جلادیا، اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں: ”کعبہ معظمہ کے گرد مشرکین کے تین سوساٹھ بُت تھے جنہیں وہ معبود اعتقاد کرتے تھے۔ انہیں یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی کہ معبود صرف ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس لئے انہوں نے سید عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی آیت طلب کی جس سے وحدانیت پر استدلال صحیح ہو۔
 اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں یہ بتایا گیا کہ آسمان اور اس کی بلندی
 اور اس کا بغیر ستون اور علاقہ کے قائم رہنا اور جو کچھ اس میں نظر آتا ہے۔
 آفتاب، مہتاب، ستارے وغیرہ یہ تمام، اور زمین اور اس کی درازی اور
 پانی پر مفروش ہونا اور پہاڑ، دریا چشے، معاونِ جواہر، درخت، سبزہ، پھل
 اور شب و روز کا آنا جانا، گھٹنا بڑھنا، کشتیاں اور اُن کا مسخر ہونا باوجود بہت
 سے بوجھ اور وزن کے روئے آب پر رہنا اور آدمیوں کا ان میں سوار ہو کر دریا
 کے عجائب دیکھنا اور تجارتوں میں اُن سے بار برداری کا کام لینا اور بارش اور
 اس سے خشک و مُردہ ہو جانے کے بعد زمین کا سرسبز و شاداب کرنا اور تازہ
 زندگی عطا فرمانا اور زمین کو انواع و اقسام کے جانوروں سے بھر دینا جن میں
 بے شمار عجائبِ حکمت و دیعت ہیں۔ اسی طرح ہواؤں کی گردش اور ان کے
 خواص اور ہوا کے عجائبات اور ابر اور اس کا اتنے کثیر پانی کے ساتھ آسمان و
 زمین کے درمیان مُعلق رہنا۔ یہ آکھ انواع ہیں جو حضرت قادر و مختار کے علم و
 حکمت اور اس کی وحدانیت پر بُرہانِ قوی ہیں اور ان کی دلالت وحدانیت پر
 بے شمار وجہ سے ہے۔ اجمالی بیان یہ ہے کہ یہ سب اُمور ممکنہ ہیں اور ان کا
 وجود بہت سے مختلف طریقوں سے ممکن تھا مگر وہ مخصوص شان سے وجود میں
 آئے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ ضرور ان کے لئے مُوجد ہے، قادر و حکیم جو بمقتضائے
 حکمت و مشیت جیسا چاہتا ہے بناتا ہے کسی کو دخل و اعتراض کی مجال نہیں
 وہ معبود بالیقین واحد و یکتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی
 فرض کر لیا جائے تو اس کو بھی اس مقدورات پر قادر ماننا پڑے گا۔ اب دو حال

سے خالی نہیں یا تو ایجاد و تاثیر میں دونوں متفق الارادہ ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ اگر ہوں تو ایک ہی شے کے وجود میں دو مؤثرات کا تاثیر کرنا لازم آئے گا اور یہ محال ہے کیونکہ یہ مستلزم ہے۔ معلول کے دونوں سے مستغنی ہونے کو اور دونوں کی طرف مفتقر ہونے کو کیونکہ علت جب مستقل ہو تو معلول صرف اسی کی طرف محتاج ہوتا ہے دوسرے کی طرف محتاج نہیں ہوتا اور دونوں کو علت مستقلہ فرض کیا گیا ہے تو لازم آئے گا کہ معلول دونوں میں سے ہر ایک کی طرف محتاج ہو اور ہر ایک سے غنی ہو تو نقیضین مجتمع ہو گئیں اور یہ محال ہے۔ اور اگر یہ فرض کرو کہ تاثیر ان میں سے ایک کی ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی اور دوسرے کا عجز لازم آئے گا جو ”الہ“ ہونے کے منافی ہے۔ اور اگر یہ فرض کرو کہ دونوں کے ارادے مختلف ہوتے ہیں تو تمناع و تطارد لازم آئے گا کہ ایک کسی شے کے وجود کا ارادہ کرے اور دوسرا اسی حال میں اس کے عدم کا تو وہ شے ایک ہی حال میں موجود و معدوم دونوں ہوگی یا دونوں نہ ہوگی، یہ دونوں تقدیریں باطل ہیں۔ تو ضرور ہے کہ یا موجود ہوگی یا معدوم۔ ایک ہی بات ہوگی۔ اگر موجود ہوئی تو عدم کا چاہنے والا عاجز ہوا ”الہ“ نہ رہا اور اگر معدوم ہوئی تو وجود کا ارادہ کرنے والا مجبور رہا ”الہ“ نہ رہا۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ ”الہ“ ایک ہی ہو سکتا ہے اور یہ تمام انواع بے نہایت وجہ سے اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

حُجَّةُ الاسلام امام غزالی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں :
 تفکر کے معنی ”طلب علم“ ہیں۔ تفکر سے نورِ معرفت حاصل ہوتا ہے،
 اس سے اسرارِ الہی منکشف ہوتے ہیں۔ تفکر یا تو اپنی ذات کے بارے میں ہوتا
 ہے یا ذاتِ حق کے بارے میں، اور ذاتِ حق کے بارے میں تفکر کا مطلب یہ

ہے کہ اس کی خَلّاتی یا اس کی صنعت گری۔ اس کے افعال یا اس کے مظاہر صفات و عجائب کے بارے میں غور و فکر کیا جائے۔ اپنی ذات کے بارے میں یا تو اُن امور میں تفکر جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، بندہ ان کے باعث حق تعالیٰ سے دُور ہو جاتا ہے یعنی بُرے اخلاق و اعمالِ بد، معاصی وغیرہ۔ یا پھر اُن صفات میں تفکر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اسے محبوب ہیں، بندے کو حق تعالیٰ کے قریب لے جاتی ہیں یعنی طاعات و عبادات اور اعمالِ صالحہ۔ انسان غور و فکر کر کے اعمالِ بد سے بچے اعمالِ صالحہ اختیار کرے، ظاہری گناہوں سے بچے اور باطنی رُوحانی بد اخلاقیوں سے بچے۔ بُخل، تکبر، ریا، حسد، غصّہ، حرص طعام، حرص بیہودہ گوئی، حُب مال، حُب جاہ وغیرہ سے احتراز کرے۔ باطنی اخلاقی حسنہ حاصل کرے۔ گناہ پریشیانی، مُصیبت پر صبر، قضا پر رضا، نعمت پر شکر، خوف ورجا میں اعتدال، دُنیا سے زہد، عبادت میں اخلاص اور خلق سے حُسن سلوک وغیرہ۔ حدیث میں ہے کہ ”ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے“ (احیاء العلوم و کیمیائے سعادت) رہنمائے کاملان، حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش قدس اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں :

”قال علیہ الصلوٰۃ والسلام تفکر ساعة خیر من عبادة ستین سنة۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے : ایک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔“ اسکی شرح میں فرماتے ہیں : ”در حقیقت اعمالِ باطن، اعمالِ جوارح یعنی ظاہری اعمال سے افضل ہیں اور احوال و اعمالِ باطن کی تاثیر در حقیقت اعمالِ ظاہری سے اکمل و جامع ہے۔“ (کشف المحجوب)

حضور پُر نور غوثِ اعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدسنا اللہ
باسرارہ العزیز فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - ”میری زمین میں یقین و ایمان لانے والی بہت
سی آیات ہیں۔ یہ آیات (نشانیوں) تمہارے اپنے نفوس میں بھی موجود ہیں،
کیا تم دیکھتے نہیں؟“ پس اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات
وصفات اور وحدانیت پر یقین لانے کے لئے زمین اس کی صنعت کے عجائب
غرائب سے معمور ہے۔ لہذا ہر صاحب عقل و شعور کو چاہیے کہ وہ تحصیلِ عرفان
ایمان کے لئے غور و تدبّر اور مشاہدہ اپنی ذات سے شروع کرے اور اپنے وجود
کی ظاہری و باطنی تخلیق و ترکیب کو غور و فکر کی نظر سے دیکھے اور جب عرفان
نفس اور علمِ ابدان میں اسے بصیرت حاصل ہو جائے تو پھر تمام کائنات اور
حکمتِ اشیاء پر غور و تدبّر کرے۔ پس مخلوقات میں غور و تدبّر کرنے سے اُس پر
خالق کی عظمت و کبریا ئی واضح ہوتی چلی جائے گی اور مصنوعات کو دیکھ کر وہ
صانع کی ذات و صفات کا اندازہ کر سکے گا اور اس طرح توحید و معرفت کے
حقائق چٹم قلب پر منکشف ہوتے چلے جائیں گے۔ کیونکہ یہ ایک قاعدہ کُلّیہ
ہے کہ صنعت اپنے صانع کے کمالِ فن کی ترجمان ہوا کرتی ہے اور فعل اپنے
فاعل کی قدرت و صلاحیت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس
میں فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخّر و
مطیع کر دیا ہے“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے اُمرار و
حکم کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا - ”کائنات کی ہر شے اسمائے الہی میں سے ایک
'اسم' ہے اور ہر شے کا نام اللہ کے کسی نہ کسی 'اسم' کی علامت ہے۔ حتیٰ کہ اے

انسان! تو بھی بذاتِ خود کچھ نہیں ہے مگر اُسی کے اسم اور صفت اور فعل کا عکس و پرتو ہے، اور اسی کی قدرت سے پوشیدہ اور اسی کی حکمت سے ظاہر و نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اپنی صفات کو ظاہر فرمایا اور ذات کو چھپایا ہے۔ بایں ہمہ ذات کو صفت میں اور صفت کو فعل میں ظاہر و واضح فرمایا ہے۔ نیز اپنے علم کو مشیت و ارادہ سے اور ارادہ کو حرکات و افعال سے ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے امور و اسباب میں باطن، لیکن اپنی قدرت و حکمت میں ظاہر و نمایاں ہے۔ تمام اشیائے کائنات اس کی صنعت و قدرت کی مظہر و ترجمان ہونے کے باوجود کوئی بھی شے اُس کی مثل نہیں، وہ عالم الغیب، سمیع و بصیر، زمان و مکان کی حدود سے بالاتر اور ہمیشہ زندہ و باقی رہنے والا ہے۔ بلاشبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کلام: "اسرارِ معرفت سے معمور ہے" ایسے نکات و معانی کا ظہور ایسے ہی سینہ سے ہو سکتا ہے جس میں قلب زندہ اور روشن ہو۔ حکمت و معرفت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ شان اسی پر بقی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں دُعا فرمائی تھی "یا اللہ! اس کو دین میں حکمت اور سمجھ عطا فرما اور اس کو معانی آیات کا ظہور عطا فرما" اللہ تعالیٰ ہمیں ان حاملین اسرارِ کتاب اللہ کی برکت عطا فرمائے اور اُن کے گروہ میں ہمارا حشر و نشر کرے۔ آمین! (فتوح الغیب مقالہ ۷۷۷)۔

اس پر مزید خامہ فرسائی تحصیل حاصل ہے۔

فقیر ابوالحسن قادری قریشی غفرلہ

تفکر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مَلِكٌ يَوْمَ
الدِّينِ ۝ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى حَبِيبِهِ سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ
شَفِيعِ الْمُذْنِبِينَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ - اَمَّا بَعْدُ - فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْقُرْآنِ
الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ - وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ صَدَقَ
اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ط

قرآن مجید میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، قرض اور دیگر معاملات
کے بارے میں ڈیڑھ سو آیات نازل ہوئیں اور مطالعہ کائنات کے متعلق سات سو
چھپن (۷۵۶) آیات نازل فرمائی گئیں۔ اس سے آیات الہی یعنی اشیائے
کائنات میں تفکر و تدبیر کی اہمیت واضح ہے کہ اس کی بدولت خالق اشیاء کی
طرف رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جاہ جاہستی باری تعالیٰ اس کی
شانِ خلافتِ اس کی صفات اور افعال اس کی قدرت و حکمت، علم و تصرف
اور اس کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و شعور

اور فہم و بصیرت عطا فرما کر اسے دعوت دی ہے کہ کائناتِ علوی و سفلی میں مظاہر قدرت کو تعقل و تفکر کی آنکھ سے دیکھیے، اُن کے اندر مخفی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرے اور عجائباتِ مخلوق میں خالق کے دستِ قدرت کو ہر آن کار فرما دیکھ کر منزلِ معرفت ”توحید“ تک پہنچے۔ غور و فکر کرنے سے اس پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے صانع و خالق کا پتہ دے رہا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”عبادت سے اپنی آنکھوں کو بھی کچھ حصہ ضرور دیتے رہا کرو۔“ حاضرین نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! وہ کیسے؟“ فرمایا: ”وہ یوں کہ زبان سے تلاوتِ قرآن کرو، ذہن میں اس پر تفکر کرو اور آنکھوں سے قدرت کے عجائب و مظاہر سے عبرت حاصل کرو۔“ تاکہ تمہیں خالق و صانع کی معرفت حاصل ہو۔ انسان کی زندگی کا مقصدِ اعظم اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام صفات و احوال کی معرفت ہے اور یہ جاننا کہ وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اور سب کا پروردگار ہے اور جو ایسا ہو وہی مستحقِ عبادت ہو سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسان کی رہنمائی فرماتے ہوئے انسان کو اشیائے کائنات میں غور و تفکر کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار زمین و آسمان، شمس و قمر، کواکب، بادلوں، ہواؤں، پہاڑوں، دریاؤں، کشتیوں، نباتات و حیوانات وغیرہ کی پیدائش کو اپنے وجود کے اثبات میں بطور دلیل بیان فرما کر ان کی پیدائش اور ان کے احوال میں غور و فکر کا حکم دیا ہے کہ وہ عقل سے کام لیتے ہوئے کائناتِ ارض و سما میں تفکر و تدبیر سے اپنے رب کو پہچانے اور اس کی

عظمت و ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اور دولت معرفت سے بہرہ ور ہو کر اپنے منصب خلافت کے حقوق و فرائض انجام دینے کے قابل ہو جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" (پ ۲۵ ع ۱۸) اور تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں (اپنے حکم سے) بے شک اس میں نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لئے۔" غور و فکر کرنیوالوں کے لئے نیز فرمایا: "إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلِّ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" (پ ۲۶ ع ۴) بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اُتار کر مردہ زمین کو اس سے جلادیا اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلانے اور پہاڑوں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔"

نیز فرمایا: "أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" (پ ۲۱ ع ۱۲) کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی، ظاہری نعمتوں سے درستی اعضا

وحواسِ خمسہ ظاہرہ اور حُسن و شکل و صورت اور کھانے، پینے، پہننے، رہنے سہنے، زیبائش، آسائش وغیرہ کی تمام اشیاء مُراد ہیں، اور باطنی نعمتوں سے۔ ایمان، علم، معرفت، حواسِ خمسہ باطنی، لطائف، عقل و شعور اور ملکاتِ فاضلہ وغیرہ نیز فرمایا: "الْمَرَّءَانُ اللَّهُ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" ذَلِكْ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (پ ۲۱)

۱۲۶) اے سننے والے! کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن کے حصّے میں اور دن لاتا ہے رات کے حصّے میں (یعنی ایک کو گھٹا کر دوسرے کو بڑھا کر اور جو وقت ایک میں گھٹاتا ہے دوسرے میں بڑھاتا ہے) اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے (بندوں کے نفع کے لئے) ہر ایک ایک میعاد تک چلتا ہے (یعنی روزِ قیامت تک یا اپنے اپنے اوقاتِ معینہ تک، سورج آخر سال تک اور چاند آخر ماہ تک) اور یہ کہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے، یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے (وہی ان اشیاء مذکور پر قادر ہے تو وہی مستحقِ عبادت ہے) اور اس کے سوا جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں (فنا ہونے والے، ان میں سے کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہو سکتا) اور اس لئے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔" نیز فرمایا: "الْمَرَّءَانُ الْفُلُكُ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ يَنْعَمَتِ اللَّهُ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ" اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبّٰرٍ شٰكُوْرٍ (پ ۲۲)

۱۳۶) کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے (اس کی رحمت اور اس کے احسان سے) تاکہ تمہیں وہ اپنی (عجائبِ قدرت کی) کچھ

نشانیوں دکھائے، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر کرنے والے شکر گزار کو۔“ نیز فرمایا: ”وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۚ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ“ (پ ۱۸ ع ۲۶) اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو (جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتی ہیں) اور خود تم میں (تمہاری پیدائش میں اور تمہارے تغیرات میں اور تمہارے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ایسے بے شمار عجائب و غرائب ہیں جس سے بندے کو اس کی شانِ خدائی معلوم ہوتی ہے) تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں؟“ نیز فرمایا: ”صَنَّعَ اللَّهُ الَّذِي آتَقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ط (پ ۳ ع ۲۰) یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز۔“ نیز فرمایا: ”وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ ۖ فَاتَّقُوا“ آیاتِ اللہ تَنْكُرُونَ“ (پ ۱۴ ع ۲۴) اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے (جو اس کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں) تو اللہ کی کونسی نشانی کا انکار کرو گے؟“ یعنی وہ نشانیاں ایسی ظاہر و باہر ہیں کہ ان کے انکار کی کوئی صورت ہی نہیں۔

اللہ عزوجل نے ان آیاتِ کریمہ اور قرآن پاک کی اسی مضمون کی دوسری آیات میں اشیائے کائنات کو اپنی معرفت کا ذریعہ ٹھہرا کر انسان کو حکم دیا ہے کہ عقل سے کام لیکر ان میں غور و فکر کریں، تاکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ ان اشیائے کائنات کا خالق وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہے، ”اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ“ (پ ۳ ع ۲۴) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔ ”وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ“ (پ ۴ ع ۲۳) اور وہی ہے سب سے بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا۔“ ساری دنیا پوری

کائنات حادث، ممکن، محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ واجب، قدیم، ازلی، ابدی،
حی و قیوم، قادر، علیم، حکیم، ربُّ العالمین ہے۔
و فی کل شیء لہ آیۃٌ تدلّ علیّ أنّه واحدٌ

ہر چیز میں وجود باری تعالیٰ کی نشانی موجود ہے اور وہ اس امر پر دلالت
کرتی ہے کہ بے شک اللہ ایک ہے۔ اُس کی اُلوہیت میں اور کوئی دخل نہیں
کوئی شریک نہیں۔ مخلوقات کا وجود ذات واجب الوجود کی روشن دلیل ہے۔
سُورج، چاند ستاروں کی روشنی اور سب سے سیارہ کی گردش، رات دن کا چکر، صبح و
شام کا تسلسل، موت و حیات کا سلسلہ، جمادات، نباتات اور حیوانات کی
پیدائش اور ان کے خصوصی اوصاف و عادات و اطوار۔ خالق کائنات کا پتہ
دے رہی ہیں۔ صانع حقیقی کی صنعت، قادرِ مطلق کی قدرت اور ذاتِ واجب
الوجود کی ہستی کی جانب رہنمائی کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی کائنات کو ایک
نظم و ضبط میں مربوط کر رکھا ہے، کائنات کی ہر چیز اپنے مقررہ دستور العمل کو
نہانے میں ہر آن لگی ہوئی ہے۔ کائنات کا نظام اعتدال و باقاعدگی سے
چل رہا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی صحیح عظمت، کمالِ تخلیق، جمالِ تکوین، نظامِ
ربوبیت اور حیرت انگیز نظم و نسق کائنات کو سمجھنے کے لئے صحیفہ فطرت میں
غور و فکر اور تدبّر کرنا ضروری ہے۔ اگر انسان اشیائے کائنات کی حقیقتوں سے
آگاہی حاصل کرے، تو وہ ان میں باری تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کے ایسے ایسے
مظاہر دیکھے گا جن سے اس کے ایمان کو درجہ یقان نصیب ہوگا، اور حتیٰ
یتبیین لہم اللہ الحق کے وعدہ کے مطابق اس پر آشکار ہو جائیگا اور
وہ پکار اٹھے گا 'ربّنا ما خلقت ہذا باطلا۔ اے ہمارے رب! تیری

تخلیق کردہ کوئی شے بھی ایسی نہیں جو عبث اور باطل ہو اور تیری ہستی کی راہ نہ دکھائی ہو۔ بلاشبہ تمام اشیائے کائنات اللہ تعالیٰ کی ہستی، اسکی صنعت گری اور اس کی عجیب تدبیر اور لطیف حکمت کی بڑی بھاری دلیلیں ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

برگ سبز درختاں در نظر ہو شیار ہر ورق دفترِ است معرفتِ کردگار
صاحبِ عقل و ہوش کی نظر میں درختوں کے لہلہاتے ہوئے سبز پتے خالق و
صانع کے وجود اور اس کے کمالِ قدرت و حکمت کا واضح ثبوت ہیں۔ ہر ورق
معرفتِ الہی کا ایک دفتر ہے۔

کائنات کی دیگر اشیاء مثلاً آسمان و زمین، سورج، چاند، ستاروں،
ہواؤں، بادلوں، سمندر، پہاڑوں، چشموں، چھوٹے بڑے حیوانات، وحوش و
بہائم، حشرات الارض، معدنیات و نباتات وغیرہ سے قطع نظر کر کے اگر انسان
کسی بھی درخت کا ایک پتہ سامنے رکھ کر اس کے وجود، اس کی ساخت، رنگ،
اور اس کی صفات اور اس کے خواص پر غور و فکر کرے اور سوچے کہ یہ پتہ
کیونکر وجود میں آیا، یہ کس چیز سے بنا، اس کے رگ و ریشے، اس کا رنگ،
اس کی تروتازگی اس کی نفاست و نزاکت وغیرہ یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟
کیسے آیا؟ اور کیوں آیا؟ اس میں مخصوص و ممتاز بُو کیسے پیدا ہو گئی؟ اس میں
مخصوص خواص کس طرح آگئے؟ وہ کونسا کارخانہ ہے جس میں یہ تیار ہوا؟ وہ
کونسا سانچہ ہے جس میں یہ ڈھلا ہے؟ اس کی یہ مخصوص شکل و صورت کیسے
بن گئی؟ وہ کون خالق و صانع ہے جو اس کو عدم سے وجود میں لایا اور اس کو
موجودہ شکل و صورت میں پیدا کر دیا؟ آیا یہ خود اپنا خالق و صانع ہے یا اُس کا

کوئی خالق و صانع ہے؟ تو یقیناً عقلِ سلیم یہی فتویٰ دے گی کہ اس کا پیدا کرنا والا اس کو اس رنگ و ڈھنگ میں بنانے والا وہی اللہ ہے جس نے پوری کائنات تخلیق فرمائی، جس نے تمام اشیاء کو جس طرح چاہا پیدا کیا اور بنایا۔ عقلِ تسلیم ہی نہیں کر سکتی کہ کوئی بھی چیز خود بخود بن جائے، اپنے آپ معرضِ وجود میں آجائے یا مخلوق میں سے کوئی خواہ وہ کتنا ہی بڑا سائنسدان، انجینئر یا کاریگر ہو ایک ذرہ یا تنکا ہی تخلیق کر سکے۔ الغرض سلیم العقل انسان جس چیز پر بھی غور و فکر کرے گا تو بالآخر نوبت ”اللہ تعالیٰ“ تک پہنچے گی۔ دوسری کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ درحقیقت خالق کائنات ”اللہ تعالیٰ“ نے صرف انسان کی خاطر پوری کائنات کو پیدا کیا اور کائنات کی ہر چیز کو انسان کی پرورش اور خدمت کے لئے مقرر کیا۔ اپنی بھرپور نعمتیں عطا کیں، انسان کو عقل و شعور عطا کیا۔ کان، آنکھ، دل، آلاتِ علم و ادراک عنایت فرمائے تاکہ وہ ان سے خدمت لے، ان سے نفع حاصل کرے، ان میں تصرف کرے اور ان میں غور و فکر کرے تفکر و تدبیر سے معرفت الہی حاصل کرے۔ ”قُلْ هُوَ الَّذِي اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ“ (پ ۲۹ ع ۲) تم فرماؤ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (جو آلاتِ علم ہیں) کتنا کم حق مانتے ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے قویٰ اور آلاتِ ادراک سے وہ کام نہیں لیتے جس کے لئے وہ عطا ہوئے یہی سبب ہے کہ مشرک و کفر میں مبتلا ہوتے ہو۔ ”قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ عَمِيَٰ فَعَلَيْهَا“ (پ ۱۹ ع ۱) تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے

دیکھا تو اپنے بھلے کو اور جو اندھا ہوا اپنے بُرے کو۔

عارف باللہ حضرت مولانا رومی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں ۵

ہرچہ را خوب و خوش و زیبا کنند ؛ از برائے دیدہ بینا کنند
جس چیز کو جمیل و شکیل اور خوبصورت بنایا جاتا ہے اُسے اس آنکھ کے لئے بنایا
جاتا ہے جو نظر رکھتی ہے، اندھے کو کیا دکھایا جائے گا؟

کے بود آواز چنگ از زیر و بم از برائے گوش بے حس اصم
زیر و بم کی سُریلی و خنک آواز جو سُرنگی سے نکلتی ہے، بہرے کے بے حس کان کے لئے
کیونکر مناسب ہو سکتی ہے؟

مُشکِ راحی بیہدہ خوشدم نہ کرد بہرشم کرد و پیے اختم نہ کرد
مُشک (کستوری) کو خدا تعالیٰ نے بے فائدہ خوشبودار نہیں بنایا اُس کو سونگھنے کے
لئے بنایا ہے اُس شخص کے لئے نہیں جس میں سونگھنے کی طاقت نہ ہو۔

نالے راحی بیہدہ خوشدم نہ کرد بہر انس آمد پیے اہرم نہ کرد
بانسری کو حق تعالیٰ نے بے فائدہ خوش آواز نہیں بنایا انسان کے لئے بنایا ہے،
(محبتِ الہی کو ترقی دینے کے لئے ہے) شیطان کے لئے نہیں۔

حق زمین و آسمان بر ساخته است درمیاں بس نور و نار افراختہ است
اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنا کر اُن کے درمیان بہت سے نور و نار
(خیر و شر) بلند کئے ہیں۔

ایں زمین را از برائے خاکیں آسمان را مسکن افلاکیاں
اس زمین کو خاک سے پیدا شدہ چیزوں موالیدِ ثلاثہ، جمادات، نباتات، حیوانات،
کے لئے بنایا۔ پیدا کیا۔ آسمان کو اہل افلاک فرشتوں، ارواح اور مجردات کے رہنے

کا مقام بنایا۔

مردِ سفلی دشمنِ بالا بود مشتری ہر مکاں پیدا بود

کُنْدِ ذہن آدمی کی نظر پستی میں محدود رہتی ہے وہ مطالب (معارف) عالیہ کا ادراک نہیں کر سکتا اور ذکی الطبع اور روشن دل آدمی حقائق و معارف کے فلک کی سیر کرتا ہے وہ ادنیٰ مطالب میں محصور نہیں رہتا، وہی ان حقائق و معارف کو سننے اور سمجھنے کا اہل بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی اس لئے عطا فرمائے ہیں کہ انسان ان آلاتِ علم ظاہری و باطنی سے حق تعالیٰ کے نشانات (آیات و علامات) ظاہری و باطنی کو محسوس کرے اور ان میں غور و تفکر کرتے ہوئے معرفتِ الہی حاصل کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا“

(پ ۱۵ ع ۴) بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے کہ تم نے ان سے کیا کام لیا؟ آیات اللہ میں غور و فکر کیا یا غفلت میں زندگی بسر کر دی؟

غور و فکر سے انسان معرفتِ الہی حاصل کرتا ہے، جوں جوں معرفت میں ترقی حاصل ہوتی ہے محبتِ الہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ خلیفہ یا نائبِ الہی انسان ہی کا منصب ہے کہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اسکی محبت میں ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے واصل باللہ ہو جائے ”مرضات اللہ“ کی تکمیل کرے، ملائکہ اور جنات دونوں معرفتِ الہی کے اس مقام سے نا آشنا ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ استعداد نہیں بخشی جو انسان کو عطا فرمائی اور اسی لئے یہ دونوں خلافت و نیابت کے لائق نہ ہوئے لیکن وہ غافل

انسان جو آسمان و زمین کی وسعتوں پر محیط کائنات میں رہتے ہیں ہر وقت اس کے عجائبات دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں مگر ان میں غور و فکر نہیں کرتے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”وَكَايْنِ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ“ (پ ۱۳ ع ۶) اور کتنی نشانیاں ہیں (خالق اور اسکی توحید و صفات پر دلالت کرنے والی) آسمانوں اور زمین میں اکثر لوگ ان پر گزرتے ہیں (اور ان کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن تفکر نہیں کرتے، عبرت نہیں حاصل کرتے) اور ان سے بے خبر رہتے ہیں۔“ نیز فرمایا: ”أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَكْذُوبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَأَنْ عَسَى أَنْ يَكُونُ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۚ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ“ (پ ۹ ع ۱۳) کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی (ان سب میں اللہ کی وحدانیت اور کمالِ حکمت و قدرت کی روشن دلیلیں ہیں) اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو (اور وہ کفر پر مرجائیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائیں، ایسے حال میں عاقل پر ضروری ہے کہ وہ سوچے سمجھے دلائل پر نظر کرے) تو اس کے بعد اور کون سی بات پر یقین لائیں گے؟“ یعنی قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اور کوئی رسول آنے والا نہیں جس کا انتظار ہو، کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ ارشادِ حق تعالیٰ ہے: ”إِنَّ شَرَّ الدِّينِ وَآبِ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ“ (پ ۹ ع ۱۷) بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گوئی ہیں جن کو عقل نہیں،“ خدا داد عقل سے کام نہیں لیتے نہ وہ حق سنتے ہیں

نہ حق بولتے ہیں نہ حق کو سمجھتے ہیں، کان اور زبان اور عقل سے فائدہ نہیں اٹھاتے
 جانوروں سے بدتر ہیں، کیونکہ یہ دیدہ و دانستہ بہرے گونگے بنتے ہیں اور عقل سے
 دشمنی کرتے ہیں اور چونکہ عقل سے کام نہیں لیتے آیاتِ الہی میں غور و فکر نہیں
 کرتے اس لئے چوپایوں سے بدتر ہیں۔ نیز فرمایا: ”وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمٰی
 فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰی وَأَضَلُّ سَبِيلًا“ (پ ۱۵ ع ۸) اور جو کوئی اس دُنیا
 کی زندگی میں (حق دیکھنے سے) اندھا ہو، وہ آخرت میں اندھا ہے۔ (نجات کی
 راہ سے یعنی جو دنیا میں کافر گمراہ ہے وہ آخرت میں اندھا ہوگا) اور، اور بھی
 زیادہ گمراہ: ”وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ
 لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ
 أُذُنٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ
 هُمُ الْغَافِلُونَ“ (پ ۹ ع ۱۲) اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیر لکے بہت
 جن اور آدمی (یعنی کفار جو آیاتِ الہیہ میں تدبیر سے اعراض کرتے ہیں اور انکا
 کافر ہونا اللہ کے علمِ ازی میں ہے) وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں (یعنی
 حق سے اعراض کر کے آیاتِ الہیہ میں تدبیر کرنے سے محروم ہو گئے اور یہی دل کا
 خاص کام تھا) اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں (راہِ حق و ہدایت اور آیاتِ
 الہیہ اور دلائلِ توحید) اور وہ کان جن سے سنتے نہیں (موعظت و نصیحت کو
 بہ گوشِ قبول، لہذا) وہ چوپایوں کی طرح ہیں (کہ اپنے قلب و حواس سے مدارک
 علمیہ و معارفِ ربانیہ کا ادراک نہیں کرتے۔ کھانے پینے کے دنیاوی کاموں میں
 تمام حیوانات بھی اپنے حواس سے کام لیتے ہیں۔ انسان بھی اتنا ہی کرتا رہا تو
 اس کو بہائم پر کیا فضیلت؟) بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ (کیونکہ چوپایہ بھی اپنے

نفع کی طرف بڑھتا ہے اور ضرر سے بچتا ہے اور اس سے پیچھے ہٹتا ہے اور کافر جہنم کی راہ چل کر اپنا ضرر اختیار کرتا ہے تو اس سے بدتر ہوا۔ آدمی، رُوحانی، شہوانی، سماوی، ارضی ہے جب اس کی رُوح شہوت پر غالب ہو جاتی ہے تو ملائکہ سے فائق ہو جاتا ہے، اور جب شہوات رُوح پر غلبہ پا جاتی ہیں تو زمین کے جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے (وہی غفلت میں پڑے ہیں)۔“

عارفِ رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۛ

ہر کرا باشد ز سینہ فتح باب اُوز ہر ذرہ بہ بند آفتاب
جس شخص کے سینہ کا دروازہ کھُل جائے یعنی شرح صدر ہو جائے تو وہ ہر ذرہ میں آفتابِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے ۛ

آدمی دیدست باقی پوست است دید آں باشد کہ دید دوست است
آدمی تو ادراکِ حقیقت کی بنیائی ہے، یعنی انسان کا معنی رُوح ہے، اور رُوح کا منصب یہ ہے کہ ادراکِ حقیقت کرے باقی سب پوست ہے، یعنی خاکی جسم گوشت پوست کا ہے اور رُوح کا مرکب و آلہ ہے اور بنیائی بھی وہی بنیائی ہے جو دوستِ حقیقی کو دیکھے۔ اشیائے کائنات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرے، اسی دید کی استعداد نے تو انسان کو تمام حیوانات سے ممتاز و برتر کیا ہے، پس جو ادراکِ حقیقت نہ کرے وہ حیوان سے بدتر ہے ۛ

پنبہٴ وسواس بیروں کُن ز گوش تابہ گوشت آید از گردوں خروش
کان سے وسواس (انہماک فی الدنیا) کی رُوی نکال دو تاکہ آسمانوں کا شور (یعنی تسبیحاتِ ملائکہ کی آوازیں) تمہارے کان میں سُنائی دے۔ ان کے علاوہ تمام شجر و حجر، طیور و وحوش کی تسبیحات کی نغمے بلند ہو رہے ہیں لیکن ۛ

تیز گوشاں راز ایشاں بشنوند غافلاں آواز ہمارا نشنوند

جو لوگ تیز شنوائی رکھتے ہیں، یعنی حقیقت میں حقیقت شناس اہل کشف ہیں، وہ اُن کی آواز سنتے ہیں مگر غافل لوگ ان آوازوں کو نہیں سُنتے۔

نشود آں نغمہ را گوشِ حس کز سخنہا گوشِ حس باشد نجس

ان نغموں کو جس ظاہری کا کان نہیں سُن سکتا (سمجھ نہیں سکتا) کیونکہ جس ظاہری کا کان بیہودہ باتوں سے نجس ہو جاتا ہے، یعنی جو شخص لغو اور فضول باتیں سُننے کا خوگر ہو، وہ ان کیفیات سے مستفید نہیں ہو سکتا کہ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ" وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (پ ۱۵ ع ۴)

اُس کی پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہیں (زبانِ حال سے اس طرح کہ ان کے وجودِ صانع کے قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں، یا زبانِ قال سے اور یہی صحیح ہے، احادیثِ کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور سلف سے یہی منقول ہے) اور کوئی چیز نہیں (جماد و نبات و حیوان سے زندہ) جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ ہر زندہ چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور ہر چیز کی زندگی اس کے حسبِ حیثیت ہے) ہاں تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے اختلافِ لغات کے باعث یا دشواریِ ادراک کے سبب۔ (خزائنِ العرفان)

حضرت مصلح الدین شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

بذرِ کش ہر چہ بینی درخروش است و لے داند دریں معنی کہ ہوش است مخلوق میں جو کچھ تجھے دکھائی دیتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف

ہے لیکن یہ حقیقت وہی جانتا ہے جو صاحبِ ہوش ہے سہ
 نہ بلبیل برگلش تبسج خوانے ست کہ ہر خارے بہ تبسج زبانی ست
 اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ پھول پر صرف بلبیل ہی اس کی تبسج خواں نہیں بلکہ ہر
 کانٹا اس کی تبسج میں رطب اللسان ہے سہ

دانی چہ گفت مرا آں بلبیل سحری تو خود چہ آدمی ہے کر عشق بے خبری
 اُشتر بہ شعر عرب در حالتِ سُرطرب گردوق نیست ترا کثر طبع جانوری
 تجھے کچھ پتہ ہے ؟ کہ مجھ سے اُس بوقتِ سحر چمکنے والی بلبیل نے کیا کہا۔ اُس نے
 کہا کہ تو بھی کوئی آدمی ہے ؟ کہ عشقِ الہی سے بے خبر ہے ۔ ایک عرب کا شعر
 سُن کر ایک اُونٹ تو حالتِ مستی میں آگیا اور تجھ پر کچھ اثر واقع نہ ہوا ۔ اگر تجھ کو
 ذوق نہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تو کچھ طبع جانور ہے انسان نہیں ہے !
 حُجّۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدسنا اللہ بامرہ العزیز فرماتے ہیں : ” تو
 پھر اس شخص کو اندھانہ کہو گے تو کیا کہو گے ؟ جو یہ سب کچھ دیکھتا ہے اور اُن کے
 خالق کی عظمت سے مدہوش نہیں ہو جاتا ، اور اُس کے لُطفِ بے پایاں اور شفقتِ
 کاملہ پر محو حیرت نہیں ہوتا اور اس کے جلال و اجلال کا عاشق نہیں ہو جاتا ۔
 زہے وہ بد بخت حیوان صفت اور غافل انسان جو ان عجائبات میں تفکر نہیں
 کرتا ۔ تُف ہے اُس پر جسے اپنے بدن کی ساخت پر حیرت نہیں ہوتی ۔ افسوس
 ہے اُس پر جو اس عقل کو فضول گنوار ہا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے
 اور جو دنیا بھر کی تمام اشیاء سے قیمتی ہے ۔ افسوس ہے اُس پر جسے اس کے سوا
 کچھ پتہ نہ ہو کہ بھوک لگی ہے تو پیٹ بھر لیا اور غصے کا بھوت سوار ہوا تو کسی سے
 گتھم گتھا ہولنے اور حیوانوں کی طرح گلشنِ معرفت کے رنگارنگ نظاروں سے

بے خبر اور محروم ہی رہے جو حق تعالیٰ نے اس کے لئے (بلکہ خود اس کے اندر بھی) پیدا کر رکھے ہیں۔ اور عجائب مخلوقات کا ذکر فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ”اور اس قسم کے عجائب بھی بے حد و حساب ہیں اور کس کی مجال ہے کہ ان لاکھوں میں سے ایک کی شناخت کا بھی دعویٰ کر سکے اور پھر اسے بیان بھی کر سکے اور ان حیوانات کی تخلیق و آفرینش کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو اتنی عجیب و غریب شکلوں میں، طُرف و بے مثال رنگوں میں، گوناگوں پیاری پیاری صورتوں میں اپنے سڈول اور پھرتیلے بدنوں کے ساتھ متناسب اعضائے ہوئے خود بخود وجود میں آگئے، یا تو نے انھیں زندگی بخش دی ہے؟ اللہ، اللہ، یہ شان اُسی مالکِ حقیقی کی ہے کہ آنکھوں کی روشنی کو برقرار رکھتے ہوئے بھی انہیں بنیائی سے محروم کر سکتا ہے، تاکہ صحیح سلامت ہونے کے باوجود وہ دیکھ نہ سکیں اور یہ قدرت بھی اُسی قادرِ مطلق کو حاصل ہے کہ دلوں کو غفلت کا شکار کر دے تاکہ وہ سوچ نہ سکیں اور فکر کی قوت ان میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ کتنے ہی بد بخت ہیں کہ ظاہری آنکھیں موجود ہیں اور ان سے دیکھتے بھی ہیں لیکن باطن کی آنکھوں سے دیکھنا اور دل کی آنکھ سے عبرت پکڑنے کی توفیق انہیں کبھی نہیں ہوتی؛ اور ان کی سماعت کا یہ حال ہے کہ جو بات سننے کی ہوتی ہے اُسے نہیں سُن پاتے حالانکہ لغو و بیہودہ باتیں سننے اُن کے کان نہیں بھٹکتے، دراصل جانوروں کی طرح سوائے آواز کو آواز کہنے کے اور کچھ خبر ہی نہیں ہوتی، وہ یہ شعور نہیں رکھتے کہ آواز کے معنی کیا ہیں؟ وہ چڑیوں کے نغمے سننے میں لیکن چونکہ وہ حروف و آواز پر مشتمل نہیں ہوتے اس لئے انہیں صرف آواز تصور کرتے ہیں (انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھی تسبیح و ذکر میں مشغول رہا کرتی ہیں) اُسی طرح جو چیزیں دیدنی ہیں اور صحیح معنوں میں

قابلِ نظارہ ہیں، اُن کی دید انہیں نصیب نہیں ہوتی، وہ انہیں دیکھنے کی تاب ہی کہاں رکھتے ہیں، انہیں تو حروف و تحریروں کی صورت میں تحریر دکھائی دینی چاہیے کہ اسے پڑھ سکیں اور الفاظ کی شکلوں کو تکتے رہا کریں، اور یہ خط الہی اور تحریر ربانی جو کائنات کے ذرے ذرے پر ثبت ہے، چونکہ اس خط میں اور ان حروف میں لکھی ہوئی نہیں ہے، اس لئے انہیں دکھائی ہی نہیں دیتی حالانکہ قلم الہی کے یہ نقوش ہر طرف دکھائی دے سکتے ہیں، لیکن وہ انہیں دیکھنے کیلئے آنکھیں لائیں تو کہاں سے؟“ (کیمیائے سعادت)

حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر قدسنا اللہ بامرارہ العزیز فرماتے ہیں:

غافل از یارِ خود اے بے خبر	چند باشی بے خبر چوں گا وِخَر
چشمِ دل بکشا جمالِ یارِ ہیں	ہر طرف ہر سو رُخِ دلدارِ ہیں
چشمِ باید تا بہ بند روئے یار	جلوہ کردست در ہر شئے نگار
نیست پوشیدہ رُخِ دلدارِ تو	لیکِ اسِ نقصِ ست در ابصارِ تو

(مثنوی بوعلی قلندر علیہ الرحمۃ)

اے غافل انسان! تُو اپنے دوستِ حقیقی سے بے خبر ہے، بیل اور گدھے کی طرح تُو کب تک بے خبر رہے گا؟ دل کی آنکھ کھول جمالِ یار کا نظارہ کر، ہر سو رُخِ دلدار کو دیکھ، چشمِ بصیرت درکار ہے جو کہ یار کا دیدار کر سکے، معشوقِ حقیقی تو ہر شے میں جلوہ گر ہے، تیرے دلدار کا رُخ روشن پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ تیری آنکھوں کا قصور ہے کہ اسے دیکھ نہیں پاتیں ورنہ ایما تو قوا فثم وجہ اللہ۔

ہر چیز مخصوص علامات اور دلائل سے پہچانی جاتی ہے مثلاً دھواں آگ کی علامت ہے اگر کہیں سے دھواں اٹھتا مواد کھائی دے تو وہ اس امر کی دلیل

ہے کہ وہاں آگ کا وجود ہے۔ دھوپ اور اس کی روشنی آفتاب کی علامت ہے
دھوپ کو دیکھ کر سورج کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے ۛ

خود نہ باشد آفتابے رادیل جز کہ نور آفتاب مستطیل

(مثنوی معنوی)

آفتاب کے موجود ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اتنے بڑے
آفتاب کا نور جہان کو منور کر رہا ہے تاہم آفتاب کے لئے کوئی بیوقوف دلیل
طلب کرے تو اس کے لئے دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی گردن پکڑ کر اسکو
آفتاب دکھایا جائے اور پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے؟ جس کے نور سے یہ جہان
روشن ہو رہا ہے اور اگر کوئی عقل کا اندھا دھواں دیکھ کر بھی آگ کے موجود ہونے
کا منکر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کا علاج یہی ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگ میں
ڈال دیا جائے اور پھر پوچھا جائے کہ اب بتایہ کیا چیز ہے؟ بارش برس رہی ہو
تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بادل ہے۔ رات کے وقت چاندنی چھٹک رہی ہو
تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چاند آسمان پر جلوہ گر ہے۔ زمین پر قدموں کے
نشان دیکھ کر یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سے کوئی گزرا ہے۔ کوئی بھی عمارت
اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی معمار ہے جس نے یہ عمارت تعمیر کی۔ درخت اور
نباتات کے پتے ہل رہے ہوں، پودے جھوم رہے ہوں تو یہ اس امر کی علامت
ہے کہ ہوا چل رہی ہے۔ تصویر کو دیکھ کر مصوّر کا یقین ہوتا ہے جس نے اس
تصویر کو بنایا کیونکہ کوئی بھی چیز خود بخود نمود نہیں بن سکتی ۛ

ہیچ چیز بے خود بخود چیز نہ شد ہیچ آہن خود بخود تیغ نہ شد

(مثنوی معنوی)

کوئی چیز خود بخود وجود نہیں بن سکتی کوئی لوہا خود بخود تلوار نہ بن سکا۔ الغرض متحرک سے محرک، سبب سے مسبب، اثر سے مؤثر پر استدلال تقاضائے عقل ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز بھی از خود وجود میں نہیں آسکتی۔ ہر وجود کے لئے موجد کی ضرورت ہوتی ہے۔

صورتِ دیوار و سقفِ برمک! سایہ اندیشہ معمار داں!

بنی ہوئی دیواریں اور مکان پر بنی ہوئی پھٹ دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ کسی معمار کی کاریگری کا نتیجہ ہے۔

پس یقین در عقل ہر دانندہ است
پس ہر سمجھدار آدمی کی عقل میں یہ بات یقینی ہے کہ جو چیز حرکت میں ہے اسے کوئی حرکت دے رہا ہے۔

تن بہ جاں جنبید نہی بینی تو جاں لیک از جنبیدن تن جاں بداں
اے غافل! اگرچہ تُو روح کو نہیں دیکھتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ رُوح سے ہی بدن متحرک ہے۔ جسم کے متحرک ہونے سے رُوح کے وجود کا یقین کر کہ رُوح ہے اگر بدن میں رُوح نہ ہو تو بدن میں حرکت کبھی نہ ہو۔ جسم کی حرکت زندگی کی علامت ہے اور زندگی رُوح کے وجود پر دلیل ہے۔ تو اب تُو اس بات پر غور کر کہ اتنا بڑا وسیع آسمان اتنی بلندی پر بغیر کسی ستون کے قائم ہے۔ وسعت کائنات میں تفکر و تعقل سے کام لے کہ اتنی وسیع و عریض زمین پانی پر کبھی ہوئی ہے۔ آسمان میں سورج چاند اور ستاروں کی گردش۔ زمین پر پہاڑ، دریا، درخت، حیوانات، درند، چرند، پرند اور انسان وغیرہ موجود ہیں۔ آیا یہ ساری مخلوق خود بخود وجود میں آگئی؟ دن رات کی گردش، چاند سورج کا طلوع و

غروبِ مومنوں کا تغیر و تبدل، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا برسنا، کھیتوں کا اہلہانا، ندی نالوں اور دریاؤں کا بہنا، اعضائے انسانی کی ترتیب، ہر شے کا عروج و زوال یہ سب کچھ اپنے آپ ہو رہا ہے؟ کیا اس عظیم الشان منصوبہ و نظام کے پیچھے کسی ایسے خالق مطلق اور منصوبہ ساز کا ہاتھ نہیں ہے جو علم و حکمت، قوت و قدرت، اور ارادہ و اختیار کا مالک ہو؟ عقل نہیں مانتی کہ نظام تو موجود ہو اور اُس نظام کا قائم کرنے والا کوئی نہ ہو، مخلوق تو موجود ہو اور خالق کوئی نہ ہو، یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ ایک اعرابی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا، اللہ اللہ، پکار رہا تھا۔ کسی فلسفی نے اس نے پوچھا۔ ”تو اللہ کو کیسے پہچانتا ہے؟“ اعرابی نے جواب دیا۔ ”البعرة تدلّ علی البعیر واثار الاقدام علی المسیر فالسّماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا یدلّان علی اللطیف الخبیر؟“ جس طرح اُونٹ کی مینگنیاں دلالت کرتی ہیں کہ ادھر سے کوئی اُونٹ گزرا ہے اور قدموں کے نشانات راستہ پر چلنے والوں کا پتہ دیتے ہیں تو پھر بُرجوں والا آسمان اور کشادہ راستوں والی زمین یہ دونوں (عظیم الشان) نشانیاں (اللہ) لطیف و خبیر کے وجود پر کیونکر دلالت نہ کریں گی؟ کیا اتنے وسیع، اتنے بڑے کارخانے کو دیکھ کر میں سمجھ نہیں سکتا کہ اُس کا پیدا کرنے اور اس کو چلانے والا خدا ہے۔ کائنات کا وجود، کائنات کا نظم و ضبط اور ربط و ترتیب وجود باری تعالیٰ پر بتیں دلیل ہے۔ عالم دنیا کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت کا گواہ ہے۔ عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ بامرارۃ العزیز فرماتے ہیں سہ گرتو اُدرے نہ مینی درِ نظر ؛ فہم کنّ آما بہ اظہار اثر اگر تو اللہ تعالیٰ کو اپنی نظر سے نہیں دیکھ سکتا تو اس کی مخلوقات میں

غور و فکر کر ظہورِ اثر کو دیکھ کر مؤثر کے وجود کا یقین حاصل کر کہ بغیر مؤثر کے اثر کا وجود عقلاً محال ہے۔ اشیائے کائنات میں مؤثرات اور متاثرات کے مستحکم نظام کو دیکھ کر اس نظام کے بنانے والے، قائم کرنے والے حقیقی مؤثر کو پہچان کہ وہ کون ہے، بہ نزدِ عقل ہر دانندہ ہست کہ باگردندہ گردانندہ ہست

ازال چرخہ کہ گردان زن پیر قیاس چرخ گرداں را ہمہ گیر
ہر عقل مند کی عقل کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ ہر پھرنے والی چیز کے ساتھ پھرنے والا ہے۔ اس چرخہ سے جس کو بڑھیا چلا رہی ہے چرخ گرداں یعنی آفتاب و مہتاب و دیگر سیارگان کی گردش کو خیال کر لو۔ آثار کے وجود سے ان کے مؤثر کا پتہ لگتا ہے اور نقوش کا مشاہدہ ان کے نقاش کی طرف رہنمائی کرتا ہے

دل گواہ ہست کہ در پردہ دل آرائے ہست

ہستی قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

کائنات اور کائنات کے عجائبات اور نظم و ضبط کو دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ کوئی اس کائنات کا خالق اور نظم و ضبط قائم فرمانے والا محبوب موجود ہے جو اس کا رخائے عالم کو چلا رہا ہے، قطرہ پانی کا موجود ہونا دریا کے وجود پر دلیل ہے کہ اگر دریا نہ ہوتا تو پانی کا قطرہ کیونکر موجود ہوتا؟ کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے، تصرفات و اختیارات الہیہ سے ہوتا ہے۔ جدھر نظر ڈالی جائے ایک تسلسل ایک ضابطہ اور ایک حاکم مطلق کی حاکمیت نظر آتی ہے۔ عارف رومی قدس سرہ العزیز نے چرخہ کائناتنے والی بڑھیا کی مثال دیکر اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر بہترین استدلال فرمایا ہے۔ ایک بڑھیا بیٹھی چرخہ کات رہی تھی کہ ایک مولوی نے اس سے دریافت کیا۔ ”اماں! ساری عمر چرخہ ہی کاتنے میں گزری یا کوئی خدا

کی پہچان بھی حاصل کی؟ بڑھیا نے جواب دیا۔ ”بیٹا! خدا کا شکر ہے کہ تھوڑی بہت اس کی پہچان ہے۔“ مولوی نے پوچھا۔ ”اچھا، تو بتائیے خدا ہے یا نہیں؟“ بڑھیا نے کہا۔ ”ہے اور یقیناً ہے۔“ مولوی نے کہا۔ ”اس کی دلیل کیا ہے؟“ بڑھیا بولی ”دلیل۔ یہ میرا چرخہ!“ مولوی نے کہا۔ ”یہ کیسے؟“ بڑھیا نے کہا۔ ”جب تک میرے اس چرخہ کو کوئی چلانے والا نہ ہو، یہ نہیں چلتا۔ تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ جب میرے اس چھوٹے سے چرخہ کو کسی چلانے والے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر کسی چلانے والے کے کیونکر چل سکتا ہے؟“ مولوی نے کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ زمین اور آسمان کا چرخہ چلانے والا ایک ہے یا دو ہیں؟“ بڑھیا نے جواب دیا۔ ”ایک ہے“ مولوی نے پوچھا۔ ”یہ کیسے؟“ بڑھیا بولی۔ ”یہ ایسے کہ چرخہ چلانے کے لئے اگر دو عورتیں بیٹھ جائیں تو یا تو وہ دونوں ایک ہی طرف کو چلائیں گی، یا پھر ایک ایک طرف کو اور دوسری دوسری طرف کو۔ پہلی صورت میں چرخہ معمول سے زیادہ تیز چلنے لگے گا اور دوسری صورت میں یا رُک جائیگا یا ٹوٹ جائیگا۔ لیکن اگر چلانے والی ایک ہوگی تو اپنی مرضی سے اسے معمول کے مطابق ایک ہی طرف کو چلاتی رہے گی تو اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر زمین و آسمان کے چرخے کو چلانے والے دو خدا ہوتے تو دنیا کا نظام بگڑ جاتا یا زمین و آسمان کا چرخہ ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ مگر چونکہ ایسا نہیں ہے بلکہ کائنات کا ہر کام ایک رفتار سے پورے نظم و ضبط کے ساتھ جاری و ساری ہے لہذا ثابت ہوا کہ خدا ہے اور ایک ہے۔“

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”أَمَّا اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ ۚ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلَٰهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَنَ اللَّهُ

رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ (پ ۱۷۶) کیا انہوں نے زمین سے کچھ ایسے
خُدا بنائے ہیں (جو ہر ارضیہ سے مثل سونے چاندی پتھر وغیرہ کے) کہ وہ کچھ پیدا
کرتے ہیں؟ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ (آسمان
زمین) تباہ ہو جاتے (کیونکہ اگر خدا سے وہ خدا مراد لئے جائیں جن کی خدائی کے
بُت پرست معتقد ہیں تو فسادِ عالم کا لزوم ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں تدبیرِ عالم
پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے اور اگر تعمیم کی جائے تو بھی لزومِ فسادِ یقینی ہے کیونکہ
اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں متفق ہونگے
یا مختلف۔ اگر شے واحد پر متفق ہوئے تو لازم آئے گا کہ ایک چیز دونوں کی مقدّر
ہو اور دونوں کی قدرت سے واقع ہو۔ یہ محال ہے اور اگر مختلف ہوئے تو ایک
شے کے متعلق دونوں کے ارادے یا معاً واقع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں
وہ موجود و معدوم دونوں ہو جائے گی یا دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں اور
شے نہ موجود ہو نہ معدوم یا ایک کا ارادہ واقع ہو دوسرے کا واقع نہ ہو تو یہ تمام
صورتیں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ فساد ہر تقدیر پر لازم ہے۔ توحید کی یہ قوی
بُراہن ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) تو پاکی ہے اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو
یہ بناتے ہیں۔ (خزان العرفان)۔ اللہ وہ ہے جو اپنی ذات اور صفات کمالیہ
میں مستغنی عن الغیر ہو اور تمام اشیاء صرف اسی کی محتاج ہوں۔ فقال
لما یُرید اور علیٰ کلّ شیء قَدِیرٌ ہو اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے دوسرے
کا وجود ممکن ہی نہیں۔ اگر ایک سے زیادہ الہ تصور کئے جائیں اور فرض کیا جا
کہ ایک سے زیادہ الہ ہیں تو یہ ہر لحاظ سے عقلاً باطل ہے مثلاً الہ وہی ہو سکتا
ہے جو قدیم ہو، واجب الوجود ہو تو تعدّد الہ محال ٹھہرا کہ قدیم ایک ہی ہو سکتا ہے

اور دوسرے اس کے بعد تو وہ حادث ٹھہرے قدیم نہ رہے واجب الوجود نہ ہوئے
 اور اگر کہو کہ سب قدیم ہیں تو کوئی قدیم نہ رہا ہم عصر ٹھہرے۔ الہ وہی ہو سکتا ہے
 جو قدیم ہو اور تعدد الہ کی صورت میں کوئی واجب الوجود بھی نہ ٹھہرا۔ واجب الوجود
 بھی ایک ہو سکتا ہے جو دوسرا الہ فرض کیا جائے گا واجب الوجود نہ ہوگا، اور
 واجب الوجود نہ ہوا تو وہ الہ بھی نہ ہوا۔ الہ وہی ہے جو واجب الوجود ہے۔ نیز
 مفروضہ تعدد الہ کی صورت میں ایک اپنی مشیت و قدرت کے تحت سُورج
 کو حکم دے کہ ”طلوع ہو“ اور دوسرا حکم دے کہ ”طلوع نہ ہو“ تو یہ یک وقت
 یہ ممکن نہیں کہ سُورج طلوع ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ لامحالہ سُورج طلوع ہو گا یا
 نہ ہو گا تو الہ وہی ہے جس کی مشیت و قدرت کے تحت اس کا حکم نافذ ہوا۔
 دوسرا الہ نہ ہو کہ فعالٌ لِّمَا یُرِید اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیر نہ ہوا اور اگر
 یہ یک وقت دونوں کا متفقہ حکم ہو کہ سُورج طلوع ہو یا طلوع نہ ہو تو لازم
 آئے گا کہ سُورج دونوں کے تحت قدرت ہے۔ یہ محال ہے۔ الہ وہ ہے
 جو مُستَقْلًا صفات کمالیہ میں مُستغنی عن الغیر ہو اور تمام اشیاء صرف اُسی کی
 محتاج ہوں اور اس صورت میں سُورج دونوں کا محتاج اور دونوں سے
 مستغنی قرار پاتا ہے۔ یہ امر محال اور باطل ہے یا پھر دونوں سُورج کو نہ طلوع
 ہونے کا حکم دیں اور نہ ہی طلوع نہ ہونے کا تو یہ صورت بھی باطل ہے کہ سُورج
 کے لئے طلوع و عدم طلوع ناممکن ہے اور یہ بھی محال ہے کہ ایک کا حکم واقع
 ہو اور دوسرے کا واقع نہ ہو تو بہر صورت ثابت ہوا کہ تعدد الہ کی صورت میں
 فساد لازم ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب کہ ایک سلطنت
 میں دو بادشاہ نہیں سماتے بادشاہ ایک ہی ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی دوسرا

دعویٰ ارتخت و حکومت پیدا ہو جائے تو برسرِ اقتدار بادشاہ اور دعویٰ دار میں جنگ برپا ہو جاتی ہے تا آنکہ ایک غالب آجائے اور دوسرا مغلوب ہو جائے۔ جنگ ختم نہیں ہوتی اور ان کی کشمکش کے نتیجے میں مُلک تباہ و برباد ہو جاتا ہے یہ تو ہے دنیاوی بادشاہوں کی مثال چہ جائیکہ دُخداؤں کی جنگ؟ بالفرض اگر ایک اللہ کے علاوہ اور کوئی اللہ ہوتا تو کائنات ایک لمحہ بھر کے لئے بھی قائم رہ سکتی تھی؟ اور نظامِ کائنات اس طرح ایک مربوط نظم و نسق کے ساتھ چل سکتا تھا؟ جس طرح کہ مُدّتہائے دراز سے چلتا آ رہا ہے اس کا تو تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "قُلْ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ يَحْكُمُ الْأُمُورَ" (پ ۵۷ ع ۵۶) تم فرماؤ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جیسا کہ کہتے ہیں جب تو وہ عرش کے مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے (اور اس سے برسرِ مقابلہ ہوتے جیسا بادشاہوں کا طریقہ ہے) اسے پاکی اور برتری ہے ان کی باتوں سے بڑی برتری۔ ثابت ہوا کہ اللہ ہے اور ایک ہے جس نے کائنات کی تخلیق فرمائی: "وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ" (پ ۲۳ ع ۴) اور وہی بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جانتا۔ اُسی نے ہر چیز پیدا کی اور ہر چیز اُسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ "اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ" (پ ۲۴ ع ۳) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔ "بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنۡتَ یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ ۚ وَکَدُّوۡا لَکُمۡ تَکۡوِیۡنَ لَہٗ صَاحِبَۃٌ ۭ ط وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۭ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیۡمٌ ۭ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمُ ۭ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۭ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۭ فَاعْبُدُوْہُ ۭ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَکِیۡلٌ ۭ" (پ ۲۵ ع ۱)

(پ ۱۹۷) بکسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، اُس کے سچے کہاں سے ہو، حالانکہ اس کی عورت نہیں (کیونکہ کوئی شے اس کی مثل نہیں) اور اس نے ہر شے پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب (جس کی یہ صفات ہوں وہی مستحق عبادت ہے) اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، ہر چیز کا بنانے والا، تو اس کی عبادت کرو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اس بات پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ پوری کائنات میں تمام چھوٹی بڑی مخلوق قانونِ قدرت کے تحت مقررہ حدود میں اپنے مقصدِ تخلیق کے فرائض سرانجام دینے میں مصروفِ کار ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ پوری کائنات کسی مخفی طاقت کے تابع و فرمانبردار ہے۔ اور یہ طاقت کائنات کی تمام اشیاء کو اپنی مشیت کے مطابق اُن کی حدود میں رکھے ہوئے ہے۔ اُن میں توازن قائم کئے ہوئے اور اُن سے مطلوبہ کام کرا رہی ہے۔ اور کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس مخفی طاقت کے مقرر کردہ نظام کے خلاف کچھ کر سکے یا اس کی مشیت میں مداخلت کر سکے۔ اسی مخفی طاقت کا نام خدا ہے۔ ”وَلَا مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلُّ شَيْءٍ قٰنِتُوْنَ“ (پ ۶۷۱) اور اسی کے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سب اس کے زیرِ حکم ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلیل محکم اور واضح نشانی ہے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وَآيَةٌ لَهُمُ الْاَرْضُ الْمَيِّتَةُ ۚ اَحْيٰیْنٰهَا وَآخَرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيْهَا مِّنَ الْعُيُوْنِ ۚ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا

تَنْبِئُكَ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ
نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا
ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ
كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ
سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَآيَةٌ لَهُمُ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ
فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُمُ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ وَإِنْ نَشَأْ
نُغَرِّقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ۝ إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا وَ
مَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۝ (پ ۲۳ ع ۲) اور اُن کے لئے ایک نشانی مُردہ زمین ہے،
ہم نے اسے زندہ کیا (پانی برسا کر) اور پھر اس سے ناج نکالا تو اس میں سے کھاتے
ہیں اور ہم نے اس میں (زمین میں) باغ بنائے کھجوروں اور انگوروں کے اور
ہم نے اس میں کچھ چشمے بہائے کہ اس کے پھلوں میں سے کھائیں اور یہ ان کے
ہاتھ کے بنائے نہیں تو کیا حق نہ مانیں گے؟ پاکی ہے اُسے جس نے سب جوڑے
بنائے (اصناف و اقسام) ان چیزوں سے جنہیں زمین اُگاتی ہے اور خود ان سے
(اولاد و کور و ناث) اور ان چیزوں سے جن کی انہیں خبر نہیں (بحر و برکی عجیب
غریب مخلوق جس کی انسانوں کو خبر بھی نہیں) اور ان کے لئے ایک نشانی (ہماری
قدرتِ عظیمہ پر دلالت کرنے والی) رات ہے۔ ہم اس پر سے دن کھینچ لیتے ہیں
(تو بالکل تاریک رہ جاتی ہے جس طرح کالے بھوجنگے جتنی کا سفید لباس اُتار
لیا جائے تو پھر وہ سیاہ ہی سیاہ رہ جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین
کے درمیان کی فضا اصل میں تاریک ہے۔ آفتاب کی روشنی اس کے لئے ایک
سفید لباس کی طرح ہے جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو یہ لباس اُتر جاتا ہے

اور فضا اپنی اصلی حالت میں تاریک رہ جاتی ہے (جبھی وہ اندھیروں میں ہیں، اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے (یعنی جہاں تک اس کی سیر کی نہایت مقرر فرمائی گئی ہے اور وہ روز قیامت ہے اس وقت تک وہ چلتا ہی رہے گا) یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی منزلوں میں چلتا ہے اور جب سب سے دُور والے مغرب میں پہنچتا ہے تو پھر لوٹ پڑتا ہے کیونکہ یہی اس کا مُستقر ہے) یہ حکم ہے زبردست علم والے کا (اور یہ نشانی ہے جو اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ پر دلالت کرتی ہے) اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں (چاند کی اٹھائیں منزلیں ہیں۔ ہر شب ایک منزل میں ہوتا ہے اور پوری منزلیں طے کر لیتا ہے نہ کم چلے نہ زیادہ۔ طلوع کی تاریخ سے اٹھائیسویں تاریخ تک تمام منزلیں طے کر لیتا ہے اور اگر مہینہ تیس کا ہو تو دو شب اور اُن تیس کا ہو تو ایک شب مُچھپتا ہے اور جب اپنے آخر منازل میں پہنچتا ہے تو باریک اور کمان کی طرح خمیدہ اور زرد ہو جاتا ہے) یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پُرانی ڈال (جو سُکھ کر پتلی اور خمیدہ اور زرد ہو گئی ہو) سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے (یعنی شب میں جو اس کے ظہورِ شوکت کا وقت ہے اس کے ساتھ جمع ہو کر اس کے نور کو مغلوب کر کے کیونکہ سورج اور چاند میں سے ہر ایک کے ظہورِ شوکت کے لئے ایک وقت مقرر ہے سورج کے لئے دن اور چاند کے لئے رات) اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے (کہ دن کا وقت پورا ہونے سے پہلے آجائے۔ ایسا بھی نہیں بلکہ رات اور دن دونوں معین حساب کتاب کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ کوئی ان میں سے اپنے وقت سے قبل نہیں آتا اور آفتاب و ماہتاب میں سے کوئی دوسرے کے حدودِ شوکت میں دخل نہیں ہوتا۔ نہ آفتاب رات میں چمکے نہ ماہتاب دن میں) اور ہر ایک ایک گھرے

پیر رہا ہے اور اُن کے لئے ایک نشانی یہ ہے کہ انہیں ان کے بزرگوں کی پیٹھ میں ہم نے بھری کشتی میں سوار کیا (جو سامان و اسباب وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ مُراد اس سے کشتی نوح علیہ السلام ہے جس میں ان کے پہلے اجداد سوار کئے گئے تھے اور یہ اور ان کی دُڑتیں ان کی پشت میں تھیں) اور ان کے لئے ویسی ہی کشتیاں بنائیں جن پر سوار ہوتے ہیں اور ہم چاہیں تو انہیں ڈبو دیں (باوجود کشتیوں کے) تو نہ کوئی اُن کی فریاد کو پہنچنے والا ہو اور نہ وہ بچائے جائیں۔ مگر ہماری طرف سے رحمت اور ایک وقت تک برتنے دینا۔“

نیز فرمایا: ”وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ مَبْشُرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ“ (پ ۴۲۱) اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے مژدہ سنائی (بارش اور کثرت پیداوار کا) اور اس لئے کہ انہیں رحمت کا ذائقہ دے اور اس لئے کہ کشتی (دریا میں اُن ہواؤں سے) اس کے حکم سے چلے اور اس لئے کہ تم حق مانو اُن نعمتوں کا اور اللہ کی توحید قبول کرو۔“ نیز فرمایا: ”وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَالْيَمْرُوتُ تُحْشَرُونَ“ (پ ۵۶) اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور اُسی کی طرف اٹھنا ہے (روز قیامت) اور وہی جلائے اور مارے اور اُسی کے لئے ہیں رات اور دن کی تبدیلیں (یہ سب اس کی قدرت کے نشان ہیں) تو کیا تمہیں سمجھ نہیں؟“ نیز فرمایا: ”الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ“ (پ ۱۴۶۲) وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔“ یعنی جو چیز جس مقصد کے لئے بنائی اور جس کام کے

لَئِنْ بَنَانِي اُس کے مطابق اس کی تخلیق فرمائی: ”مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ
 مِنْ تَفْوِیْطٍ ۚ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۚ ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ
 كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ“ (پ ۱۷۹)۔
 تُو رحمان کے بنانے میں کیا کوئی فرق دیکھتا ہے ؟ (یعنی آسمانوں اور زمین
 کی مخلوقات کی پیدائش سے قُدْرَتِ الہی ظاہر ہے کہ اُس نے کیسے مستحکم اتوار
 مُستقیم، مستوی، متناسب، بے ستون اتنی بلندی پر آسمان بنائے اور
 سطح آب پر کس قدر وسیع زمین بچھائی اور آسمان و زمین میں طرح طرح
 کی عجیب و غریب مخلوق پیدا فرمائی اس طرح کہ ان میں کوئی خامی و کمی دکھائی
 نہیں دیتی) تُو نگاہ اُٹھا کر دیکھ (آسمان کی طرف بارِ دگر) تجھے کوئی رخِ نہ نظر
 آتا ہے ؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا (اور بار بار دیکھ) نظری طرف ناکام پلٹ آئیگی
 تھکی ماندی کہ بار بار کی جستجو سے بھی تیری نظر کوئی خلل نہ پاسکے گی۔ ترتیب و
 تخلیق کائنات میں کوئی نقص دکھائی نہیں دیتا۔ پس باری تعالیٰ کے وجود اور
 اس کی وحدانیت پر اس کی شانِ تخلیق اور کائنات میں نظم و باقاعدگی شاہد
 ناطق ہے۔ بشرطیکہ انسان عقلِ سلیم سے کام لے اور اشیائے کائنات میں غور و فکر
 کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے عقل و شعور عطا فرما کر تمام مخلوق سے مُمتاٰ
 کیا اور حکم دیا ہے کہ مخلوقات میں تفکر کے ذریعہ خالق کائنات کی معرفت حاصل
 کرے اور قرآن مجید میں بار بار اپنی آیات (نشانیوں) بیان کر کے کہیں فرمایا۔
 ”اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ“ کہیں فرمایا۔ ”اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
 لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ“ کہیں فرمایا۔ ”اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ
 یَسْمَعُوْنَ“ اور کہیں فرمایا۔ ”اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ“ بے شک

ان سب میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کیلئے۔ ان سب میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ بے شک ان سب میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لئے۔ بے شک ان سب میں نشانیاں ہیں علم والوں کے لئے؛ اور جو انسان حیوانوں کی طرح اشیائے کائنات کو صرف دیکھ کر لیتے ہیں مگر تفکر و تدبیر سے کام نہیں لیتے۔ ان غافلوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: افلا یعقلون۔ تو پھر یہ عقل سے کیوں کام نہیں لیتے؟ کہیں فرمایا: افلا تعقلون۔ تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے؟ کہیں فرمایا: افلا يتدبرون۔ تو پھر یہ لوگ کیوں تدبیر نہیں کرتے؟ وغیرہ۔

واضح رہے کہ معرفتِ الہی اگرچہ داخل ایمان نہیں مگر شرطِ ایمان ضرور ہے معرفت کے مدارج مختلف ہیں عموماً اہل اسلام کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ حق تعالیٰ خالق، معبود لاشریک لہ ہے اور متصف جمیع صفاتِ کمالیہ ہے پھر جس قدر آثارِ قدرت وغیرہ صفاتِ کمالیہ میں غور و تأمل کیا جائے اسی قدر معرفت کی زیادتی ہوتی ہے اور جس قدر معرفت کی زیادتی ہو محبت زیادہ بڑھتی ہے جو باعثِ ترقی مدارجِ قرب ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذا تقرب الناس الی خالقهم بالذراع البرّ فتقرب الی اللہ بالعقل والسرّ تسبقهم بالدرجات والزلفی عند الناس وعند اللہ۔ جب لوگ اپنے خالق کی طرف طرح طرح کی نیکیوں کے ساتھ تقرب چاہیں تو تم اللہ کی طرف عقل اور معارف کے ساتھ تقرب چاہو تا کہ ان (متقربین) سے سبقت لے جاؤ لوگوں پر درجات حاصل کرنے اور اللہ کا قرب پانے میں۔ یعنی لوگ تو طاعات و عبادات وغیرہ اعمال کو وسیلہ تقرب

بناتے ہیں، تم علوم و معارف کی طرف توجہ کرو تاکہ تم حصولِ علم کے بعد طاعات و عبادات کی بجا آوری علیٰ وجہ البصیرت کر سکو اور تم کو سب سے زیادہ قُربِ الہی میسر ہو، تو تم بذریعہ طاعات و عبادات تقرب چاہنے والوں سے سبقت لے جاؤ گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم، عمل سے افضل ہے جس کی بدولت کامل تقرب حاصل ہو سکتا ہے۔ علم معرفت کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ حضرت مصلح الدین شیخ سعدی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں :-

چُو شمع از پئے علم باید گداخت کہ بے علم نتواں خدا را شناخت
 شمع کی مانند حصولِ علم کی خاطر پگھلتے رہنا چاہیے (جدوجہد میں لگے رہنا چاہیے)
 کہ علم کے بغیر خدا کی معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ عن ابن عباس قال تدارس العلم ساعةً من الليل خيرٌ من احياها (رواہ الدارمی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ فرمایا: رات کی ایک ساعت پڑھنا پڑھانا رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر (افضل) ہے۔

عارفِ رومی قدسنا اللہ باسراہ العزیز فرماتے ہیں :

ہر کسے گر طاعتے پیش آورند بہر قُرب حضرت یحیون و چند!
 تُو تقرب جو بے عقل و سرِ خویش نے چوں ایشاں بر کمال و بر خویش
 اگر اور لوگ اس ذاتِ بے مثل اور بے نظیر کی بارگاہ میں قُرب حاصل کرنے کیلئے طاعت بجا لاتے ہیں تو تم اپنی عقل (معرفت) اور کیفیتِ باطن (یعنی محبت) سے قُرب حاصل کرو، نہ کہ اُن لوگوں کی طرح محض اپنے کمال و اعمال پر بھروسہ کرو

۵ آدمی دیدار است باقی پوست است

دید آں باشد کہ دیدِ دوست است

آدمی تو ادراکِ حقیقت کی بنیائی ہے باقی سب گوشت پوست ہے اور بنیائی بھی وہی بنیائی ہے جو دوست (حقیقی) کو دیکھے یعنی اگر انسان میں ادراکِ حقیقت نہیں تو وہ انسان کہلانے ہی کا مستحق نہیں۔ انسان کی تعریف ہے: ”حیوانِ ناطق گویا نطق“ یعنی ادراکِ کلیات و علمِ حقائق ہی نے اس کو حیوان کے درجے سے اٹھا کر انسانیت پر فائز کیا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر نہ حیوان کا حیوان ہے۔ چونکہ وہ نطق و ادراک جو حقیقتِ انسانی کا جزو ہے عام تھا اسی لئے عارفِ رومی علیہ الرحمۃ اس کی تخصیص فرماتے ہیں کہ ادراک میں سے وہی علم و ادراک ہمارے نزدیک معتبر ہے جس کا تعلق محبوبِ حقیقی کے ساتھ ہو جو کہ محبوبِ ازل ہے ابدی ہے ۵

چونکہ دیدِ دوست نہ ہو دُور بہ دوست کو باقی نباشد دُور بہ

جب دوست کا دیدار نہ ہو اُس سے اندھا اچھا۔ جو دوست سدا سلامت نہ ہو

وہ دُور ہی اچھا۔ اُس کو دُور سے سلام ہی اچھا۔ کما قیل ۵

گور باد آں چشم کو مشتاق دیدارے نہ شد

قطع باد آں دست کو در گردنِ یارے نہ شد

خدا کرے کہ وہ آنکھ اندھی ہو جائے جو محبوب کے دیدار کی مشتاق نہ ہو اور وہ ہاتھ کٹ جائے جو گردنِ یار میں حائل نہ ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَّا خَلَقَ

اللَّهُ السَّمُوتَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ط

وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَائِ رَبِّهِمْ لَكُفْرُونَ ۝ (پ ۲۱ ع ۴۶)

کیا انہوں نے اپنے جی میں نہ سوچا کہ اللہ نے پیدا نہ کئے آسمان اور زمین اور جو

کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ (کہ ہماری وحدانیت و قدرت پر دلالت کریں) اور ایک مقرر میعاد سے اور بے شک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار رکھتے ہیں۔ یعنی آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث اور باطل نہیں بنایا۔ ان کی پیدائش میں بے شمار حکمتیں ہیں اور یہ کچھ ہمیشہ کے لئے نہیں بنایا بلکہ ایک مدت معین کر دی ہے۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو یہ فنا ہو جائیں گے اور وہ مدت قیامت قائم ہونے کا وقت ہے مگر بہت سے لوگ بعث بعد الموت پر ایمان نہیں لاتے۔ (خزان العرفان)

مادہ پرست، ملحد دہریئے خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ مادہ کو تسلیم کرتے ہیں اور غیر مادیت کے منکر ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم ہے اسی کے تغیرات سے یہ پوری کائنات حادثاتی طور پر وجود میں آئی اور نظام کائنات بھی حادثاتی طور پر خود بخود چل رہا ہے وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ سائنس کی یہ نئی ایجادات خود بخود وجود میں نہیں آئیں اور سائنس کی یہ ایجادات بھی کسی موجد اور کنٹرول کرنے والے کی محتاج ہیں تو اتنی وسیع و عظیم کائنات بغیر خالق کے کیونکر معرض وجود میں آسکتی اور کنٹرول میں رہ سکتی ہے؟ دراصل "ایمان" یومنون بالغیب پر منحصر ہے اور مادہ پرست صرف ان ہی باتوں کو مانتے ہیں جن تک عقل و خرد، مادی وسائل، سائنسی آلات، مشاہدات و تجربات کی رسائی ہو، حالانکہ عقیدہ توحید اور امور غیبیہ کے متعلق تمام عقائد و معتقدات غیر مادی اور مابعد الطبعیاتی ہیں، سائنس کی دسترس سے باہر ہیں۔ اس لئے کہ جو اس کے ذریعہ عقل کام کرتی ہے اور جو اس کا دائرہ محدود ہے اس محدود دائرہ سے باہر کی چیز تک ان کی رسائی نہیں تو لامحالہ عقل بھی محدود ٹھہری۔ غیر مادی

اور مابعد الطبعیاتی امورِ غیبیہ تک نہ حواس کی پہنچ ہے اور نہ عقل وہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن کی تمام ترکاوشوں کا دار و مدار محض عقل پر ہے وہ امورِ غیبیہ کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ یہ بخود غلط سائنس داں جو خود کو عقلِ کل گردانتے ہیں حواس اور عقل کی حقیقت و ماہیت سے ہی بے خبر ہیں۔ جہلِ مُرکب میں گرفتار ہیں۔ وہ یہ تک سوچ نہیں سکتے کہ جس عقل کے ذریعہ ہم اشیاءِ موجودہ کی آمیزش و ترتیب و ترکیب سے نئی نئی ایجادات کرتے ہیں آیا یہ اشیاء ہم نے پیدا کی ہیں؟ اور ان اشیاء کی آمیزش و ترتیب و ترکیب سے جو اثرات ظاہر ہوتے ہیں یہ تاثیرات کیا ہیں، کیوں ہیں اور آیا ان تاثیرات کے خالق ہم ہیں؟ یا کسی غیبی طاقت کی کار فرمائی سے یہ مؤثرات و متاثرات کا نظام وابستہ ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھی نہیں جاتا کہ جس عقل اور جن آلاتِ عقل یعنی حواس کے ذریعہ ہم تجربات کرتے ہیں۔ یہ عقل ہم نے خود پیدا کی ہے؟ یا کسی کی عطا کردہ ہے۔ آلاتِ عقل، کان، آنکھ، دل اور دماغ وغیرہ ہم نے اپنے جسم میں اپنی کاریگری سے بنائے ہیں؟ یا ان کا بنانے والا کوئی اور ہے۔ یقیناً کوئی بھی دہرہ سائنسدان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میری عقل میری خود پیدا کردہ ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنے جسم کا موجد ہوں، میں نے اپنے جسم میں کان، آنکھ، دل، دماغ وغیرہ اعضاء خود بنائے اور ان میں محسوس کرنے اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں بھی میری پیدا کردہ ہیں۔ نیز یہ بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی مشیت و قدرت سے پیدا ہوا ہوں اور جب چاہوں گا اپنی مرضی سے اپنے حسبِ منشاءم جاؤں گا۔ میری حیات و موت میرے قبضہ و اختیار میں ہے۔ تاہم اگر ان گمراہوں سے پوچھا جائے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا اور کس کی مشیت و قدرت

کے تحت ہو رہا ہے تو وہ یوں جواب دیتے ہیں: اِنَّ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ (پ ۸ ع ۳) وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی (اس دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں صرف اتنا ہی ہے کہ) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں (کہ ہم میں کوئی پیدا ہوتا ہے کوئی مرنے والا نہیں) ہمیں اٹھنا نہیں۔ یعنی مرنے کے بعد فنائے محض ہو جاتا ہے: ”وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْدِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ (پ ۲۵ ع ۱۹) اور بولے (محدین منکرین بعث) وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی (یعنی اس زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں) مرتے ہیں اور جیتے ہیں (یعنی بعض مرتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہیں) اور ہمیں ہلاک نہیں کرتا مگر زمانہ (یعنی روز و شب کا دورہ، وہ اسی کو مؤثر اعتقاد کرتے ہیں اور ملک الموت کا اور بہ حکم الہی روایں قبض کئے جانے کا انکار کرتے ہیں اور ہر ایک حادثہ کو ”دہر“ اور ”زمانہ“ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اور انہیں اس کا علم نہیں (یعنی وہ یہ بات بے علمی سے کہتے ہیں) وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں۔ یعنی خلاف واقعہ کہتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا کہ ہمارا جسم حادثاتی طور پر وجود میں آتا ہے، ہمارے اعضا جسم عناصر کی ظہور و ترتیب سے بنتے ہیں اور ہم خود بخود زندہ ہو جاتے ہیں اور ان ہی عناصر کے منتشر ہو جانے کا نام موت ہے ۵

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہور و ترتیب موت کیا ہے؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا سراسر ان کے فتورِ عقل، لاعلمی اور جہالت کی دلیل ہے۔ یہ فائرِ عقل اتنا بھی نہیں سوچتے کہ یہ عناصر کیسے وجود میں آگئے؟ نیز یہ کہ یہ بے جان عناصر اس قدر

عقل مند اور سمجھ دار ہیں کہ وہ خود بخود ایک خاص معین ترتیب کے ساتھ ہی مرتب ہوتے اور آدمی کی مخصوص شکل میں ڈھل جاتے ہیں ؟ نیز یہ کہ بے جان عناصر کے ظہور ترتیب سے جسم میں جان کا پڑ جانا کیونکر ممکن ہے ؟ جو خود بے جان ہو وہ جال بخش تو نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن کا کوئی حل ان کے پاس نہیں اور ان سوالات کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے اور پھر ان کا یہ کہنا کہ 'موت کیا ہے ؟ انہی اجزاء کا پریشاں ہونا' بجائے خود غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ سب جانتے ہیں اور آئے دن یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ عناصر کا ظہور ترتیب تو علیٰ حالہ موجود رہتا ہے اور اس کے باوجود جان نکل جاتی ہے، آدمی مر جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ" اور انہیں اس کا علم نہیں، وہ تو نرے گمان دوڑاتے ہیں "حقیقت سے بے خبر ہیں۔ خلاف واقعہ کہتے ہیں پس حقیقت کو جاننے اور امور غیبیہ مابعد الطبعیاتی باتوں کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان کے ارشادات میں ان تمام امور کا حل موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" (پ ۱۴ ع ۱۷) اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ کچھ نہ جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیئے کہ تم احسان مانو، علم و عمل سے فیض یاب ہو کر منعم کا شکر بجالاؤ اور اس کی عبادت میں مشغول ہو اور اس کے حقوقِ نعمت ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو عقل و علم عطا فرما کر تمام مخلوق سے ممتاز فرمایا، مکرم کیا۔ معاش و معاد کی تدابیر اور

تمام اشیائے کائنات پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اپنی خلافت و نیابت سے سرفراز فرمایا اور مقررہ حدود کے اندر اس کو یہ قدرت بھی عطا فرمائی کہ وہ مخلوق اشیاء میں تصرف کرے، اپنی عقل و شعور کے مطابق نسل انسانی کی آسائش اور بہتری کے لئے اشیاء میں صنعت و تصرف کر کے نئی ایجادات کرتا رہے۔

قوله تعالى: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝"

(پ ۱۵ ع ۷) اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی (عقل و علم و گویائی، پاکیزہ صورت، معتدل قامت اور معاش و معاد کی تدابیر اور تمام چیزوں پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دیکر) اور ان کو خشکی اور تری میں (جانوروں اور دوسری سواریوں اور کشتیوں اور جہازوں وغیرہ میں) سوار کیا اور ان کو سُختری چیزیں روزی دیں (لطیف، خوش ذائقہ حیوانی اور نباتی ہر طرح کی غذائیں خوب اچھی طرح پکی ہوئی) کیونکہ انسان کے سوا حیوانات میں پکی ہوئی غذا اور کسی کی خوراک نہیں) اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔ "حضرت حسن کا قول ہے کہ اکثر سے مُراد کُل ہے اور اکثر کا لفظ کُل کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا: واکثرهم کاذبون اور مایتبع اکثرهم الا طغیاء میں اکثر بمعنی کُل ہے لہذا ملائکہ بھی اس میں داخل ہیں اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبور ہیں (یعنی ان کی جبلت طبیعت میں ہی طاعت و دیعت فرمادی گئی

ہے) یہی ان کی سرشت ہے، ان میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی عقل و شہوت دونوں کا جامع ہے۔ تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔ (خزائن العرفان) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيبِينَ ۝ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (پ ۲۵ ع ۱۵) اور ہم نے نہ بنائے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر (اگر مرنے کے بعد اٹھنا اور حساب و ثواب نہ ہو تو خلق کی پیدائش محض فتنے کے لئے ہوگی اور یہ عبث واجب ہے تو اس دلیل سے ثابت ہوا کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی ضرور ہے جس میں حساب و جزا ہو) ہم نے انہیں نہ بنایا مگر حق کے ساتھ (کہ طاعت پر ثواب دیں اور معصیت پر عذاب کریں) لیکن ان میں اکثر جانتے نہیں“ کہ پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے اور حکیم کا فعل عبث نہیں ہوتا۔ (خزائن العرفان)

وہ منکرین حدیث دہریے سائنسدان وغیرہ جو دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور موت کو فنائے محض قرار دیکر قیامت و حشر کا انکار کرتے ہیں اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِمَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غٰفِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ مَاؤُهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ (پ ۱۱ ع ۶) بے شک وہ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے (روز قیامت اور ثواب عذاب کے قابل نہیں) اور دنیا کی زندگی پسند کر بیٹھے۔ اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ

جو ہماری آیتوں سے غفلت کرتے ہیں (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہاں آیات سے حضور سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن شریف مراد ہے اور غفلت کرنے سے مراد اُن سے اعراض کرنا ہے) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ بزعم خود بڑے عقلمند سائنسدان بنے پھرتے ہیں وہ کبھی اس پردھیان نہیں کرتے کہ جس عقل اور جن آلات عقل کا انہیں آٹھ اور دل وغیرہ کی مدد سے اشیائے موجودہ میں ترتیب و ترکیب دیکر ایجادات کرتے ہیں آیا یہ خود ان کی پیدا کردہ ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جس خالقِ کل اور قادرِ مُطلق نے ان اشیاء کو پیدا کیا اور انسان کو عقل اور آلات عقل سے نوازا ہے اگر وہ یہ اشیاء ان کو مہیا نہ کرے یا ان کی عقل و حواس کو سلب کر لے تو یہ بیکار محض ہو کر رہ جائیں اور کچھ بھی نہ کر سکیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَ أَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلَى قُلُوبِكُمْ قُلْ إِنَّهُ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ“ (پ ۷ ع ۱۱) تم فرماؤ۔ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (اور علم و عقل و معرفت کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے) تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لادے؟“ اور اس کا جواب یہی ہے کہ کوئی نہیں! تو اب توحید پر قوی دلیل قائم ہو گئی کہ جب اللہ کے سوا کوئی اتنی قدرت و اختیار والا نہیں تو عبادت کا مستحق صرف وہی ہے اور شرک بدترین جرم ہے۔ چہ جائیکہ اس کا انکار کر دیا جائے یہ تو انتہائی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے۔ صاحب عقلِ سلیم یہ جبار نہیں کر سکتا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدسنا اللہ باسراہ العزیز کو ایک دہریہ (منکرِ خدا) نے چیلنج دیا۔ ”اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ واقعی خدا موجود ہے اُسی نے دنیا کو پیدا کیا اور وہی سب کچھ کر رہا ہے تو مجھ سے مناظرہ کر کے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش کرو“ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے منکرِ خدا کا چیلنج قبول کر لیا۔ مناظرہ کے لئے مقام اور وقت مقرر کر کے اعلانِ عام کر دیا گیا۔ ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ دہریہ بھی وقتِ مقررہ پر پہنچ گیا لیکن امام اعظم (علیہ الرحمۃ) نہ پہنچے۔ لوگ بے چینی کے ساتھ آپ کا انتظار کرنے لگے۔ جب وقتِ مقررہ گزر جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک آپ تشریف نہ لائے تو مسلمان پریشان اور مضطرب ہو گئے۔ دہریہ شیخیاں بگھارنے لگا۔ لوگ مایوس ہو کر منتشر ہونے کو ہی تھے کہ آپ تشریف لے آئے۔ آپ نے دہریہ سے کہا: ”آؤ مناظرہ کر لو“ دہریہ بولا۔ ”اصل موضوع پر بحث کرنے سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ وقتِ مقررہ پر کیوں نہیں پہنچے؟ آپ نے ضابطہٴ اخلاق کو کس لئے توڑا؟“ امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ”اگر میں یہ کہوں کہ میرے تاخیر سے پہنچنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب میں آتے ہوئے دریا کے کنارے پہنچا تو کوئی کشتی موجود نہ پائی۔ میں کشتی کا انتظار کرنے لگا۔ دریں اثنا ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ دریا کے کنارے ایک ننھا سا پودا زمین سے نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تناور درخت بن گیا۔ میں حیرت و استعجاب کے ساتھ اس درخت کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک وہ درخت کٹ کر گرا اور خود بخود اس کے تختے بنتے چلے گئے۔ پھر وہ تختے از خود موزوں انداز میں باہم جڑتے گئے اور کہیں سے لوہے کے کیل بھی اڑتے ہوئے آئے اور تختوں میں حسبِ ضرورت پیوست ہو گئے اور اس طرح آنا فانا کشتی تیار ہو کر خشکی پر سے چلتی ہوئی اپنے آپ دریا میں اتر گئی۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا

اور دوڑ کر کشتی پر سوار ہو گیا اور کشتی بغیر ملّاح کے چلتی ہوئی دوسرے کنارے پہنچی
تو اس کشتی سے اتر کر سیدھا یہاں چلا آیا ہوں۔“
دہریہ چلا اُٹھا۔ ”یہ سب کچھ ناممکن ہے، آپ کی یہ کہانی من گھڑت
اور خلافِ فطرت ہے۔“

امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اعلان فرمادیا۔ ”مناظرہ ختم ہو چکا۔“
دہریہ حیران ہو کر بولا۔ ”یہ کیسے؟“

آپ نے فرمایا۔ ”جب کسی صانع کے بغیر ایک چھوٹی سی کشتی کا تیار
ہو جانا اور اس کا خود بخود چلنا خلافِ فطرت اور ناممکن ہے تو یہ کیونکر ممکن
ہے کہ یہ عظیم دنیا، یہ وسیع کائنات بغیر کسی خالق و صانع کے معرضِ وجود میں
آجائے اور پورا نظامِ عالم بغیر کسی چلانے والے کے ایک مستحکم ضابطہ و قانون کے
تحت چلتا رہے؟“

عارف باللہ مولانا رومی قدسنا اللہ یا سرارہ العزیز فرماتے ہیں۔
ہیچ چیز نے خود بخود چیز نے نہ شد ہیچ آہن خود بخود تیغ نہ شد
اِس سبب ہا در نظر پردہ ہاست در حقیقت فاعل ہر شے خداست
کوئی چیز خود بخود ”چیز“ نہیں بنی۔ کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بنا۔ یہ
اسباب جو دکھائی دیتے ہیں حجابات ہیں۔ درحقیقت ہر شے کا فاعل اللہ تعالیٰ
ہے۔

ہر موجود کے لئے ”موجد“ اور ہر تغیر کے لئے ”مؤثر“ کا ہونا ایک ایسی کھلی
حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ حتیٰ کہ دہریہ اور کوئی سائنسدان بھی اس
سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ عناصر کے کون و فساد اور

اُن کے سارے تغیرات صرف ایک ہستی کی مشیت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں اور وہ ہستی ”اللہ تعالیٰ“ کی ہستی ہے جو واجب الوجود خالق کُل قادر مطلق اور فعال لَمَّا یُرِیدْ ہے

ہر تغیر ہے غیب کی آواز

ہر تجدید میں ہیں ہزاروں راز

فقط - والسلام علی من اتبع الہدیٰ

الفقیہ الی الرحمن ابو الحسن حکیم محمد رمضان علی قادری غفرلہ

سنجھورو سندھ - پوسٹ کوڈ نمبر: ۶۸۲۲۰

مورخہ: یکم ذیقعد ۱۴۱۶ ہجری

مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء

تصنیف لطیف ”ذکر و فکر“ کے مُصنّف عَلَّامہ ابوالحسن قادری کی دیگر تصانیف

۱۔ مکمل تنویر الایمان (حصہ اول و دوم)

اس عظیم الشان کتاب میں حضور اکرم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام سے مسئلہ توکل و استمداد، نداء غائبانہ اور حیاتِ انبیاء و اولیاء پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور منکرین و ہابیہ کے اعتراضات کے مکمل جوابات دیئے گئے ہیں۔

۲۔ مکمل تنویر البرہان لدفع ظلمات قرن الشیطان (حصہ اول و دوم)
تردید و ہابیہ میں یہ کتاب بے مثل ہے۔ منکرین و ہابی اپنے باطل نظریات کے تحت تمام مسلمانانِ اُمت کو بدعتی، مشرک، کافر قرار دیتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے۔ جن عقائد و اعمال پر اجماعِ اُمت ہے یہ لوگ ان عقائد و اعمال کو شرک و کفر ٹھہراتے ہیں۔ وہابیہ کے عقائد اور ان کے طرزِ عمل سے واضح ہے کہ یہ لوگ اصل دینِ اسلام کے منکر اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں۔ اس کتاب میں نجدی و ہابیوں کی تمام تر خرافات کی تردید قرآن و حدیث کی روشنی میں بہ دلائلِ قاہرہ کر دی گئی ہے۔

۳۔ مکمل تاریخ و ہابیہ۔ اس شہرۂ آفاق تاریخی تحقیقی کتاب میں نجدیہ و ہابیہ کے اسلام دشمن سیاسی کردار کو ناقابلِ تردید حقائق و شواہد کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ خوارجِ الاصل و ہابی اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہرا کر ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں۔ آج تک جتنا نقصان اسلام اور اہل اسلام کو ان مُسلم مُنَادِ ہابیوں سے پہنچا ہے کھلے کفار سے نہیں پہنچا۔ ان عظیم فتنہ گروں کو پہچاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بجز ضروری ہے۔

۱۵۰۰ صفحات پر مشتمل نادر تالیف؛

یوں تو اخلاقیات کے موضوع پر اردو

۴۔ معدنِ اخلاق :

زبان میں بہت سی کتابیں دستیاب ہیں لیکن علامہ ابو الحسن قادری کی اس تالیف میں جو دلکش انداز اختیار کیا گیا ہے وہ بنی نوع انسان کے اخلاق کو سنوارنے میں بھی موثر اور مفید ہے۔ اس لحاظ سے معدنِ اخلاق، اخلاق کے موضوع پر منفرد مقام کی حامل ایک ایسی جامع تالیف ہے جس سے طلباء، علماء، واعظین، مقررین اور عام مسلمان یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

اس کتاب کی ترتیب اس طرح رکھی گئی ہے کہ اخلاقیات کے تیسرے عنوانات قائم کئے گئے ہیں: (۱) توحید، خوفِ خدا (۲) عشق و تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اخلاصِ نیت (۴) زہد و تقویٰ (۵) توبہ، رجوع الی الحق (۶) توکل، قناعت، استغناء (۷) ایثار و سخاوت (۸) علم و علماء (۹) امر بالمعروف (۱۰) صحبت صالحین (۱۱) عفو و درگزر (۱۲) مساوات و عدل (۱۳) حق گوئی و بیباکی (۱۴) جہاد و شجاعت (۱۵) ماں باپ، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق (۱۶) سچ اور جھوٹ، بغض و حسد (۱۷) غرور و تکبر، تواضع و انکساری (۱۸) پردہ، شرم و حیا (۱۹) کسبِ معاش، اکلِ حلال (۲۰) ایفلے عہد (۲۱) حکمت و دانائی (۲۲) لطافت و ظرافت (۲۳) ارشادات۔ اور ہر عنوان کے تحت موضوع کے مطابق قرآن مجید اور حدیث شریف کے احکام اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق واقعات و حکایات پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، علماء، اولیاء، بادشاہوں، دانشوروں، امراء، حکام اور مشہور لوگوں کے واقعات و حکایات اور حسب موقع و مناسبت اشعار درج کئے گئے ہیں۔ واقعات و حکایات معتبر و مستند کتب سے ماخوذ اور باحوالہ درج ہیں۔ الغرض علامہ موصوف نے معدنِ اخلاق کی تالیف میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لے کر سینکڑوں کتب و رسائل کا پنچوڑ جمع فرمادیا ہے۔ بلا مبالغہ معدنِ اخلاق کی تالیف اردو ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے جس کے مطالعہ کے بعد قارئین مؤلف کو تہہ دل سے داد دینے بغیر نہ رہیں گے۔